آداب الافتاء

قواعد شرعیہ اور اصول کلیہ

QASID KITAB GHAR
Mohammad Hanif Razvi Nagarchi
Near Jamia Masjid, Arcot Dargah,
BIJAPUR-586104, (Karnataka)

سید ظہیر الدین احمد زیدی قادری غفرلہ

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝

"اگر تمہیں علم نہیں جو علم والوں سے پوچھ لو"

آداب الافتاء

مَعَہ

قواعدِ شرعیہ اور اصولِ کلیہ

سیّد ظہیر احمد زیدی قادری غفرلہ

تلمیذ حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت و خلیفہ مجاز

حضرت مُفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ۔

QASID KITAB GHAR
Mohammad Hanif Razvi Nagarchi
Near Jamia Masjid, Arcot Dargah,
BIJAPUR-586104, (Karnataka)

تصنیف

باراول : .... نومبر ۱۹۹۱ء

تعداد : .... ایک ہزار

قیمت : .... اٹھارہ روپے

مطبع : .... نیو پبلک پریس دہلی

کتابت : .... عتیق احمد

سرورق : .... سرفراز زیدی

QASID KITAB GH...
Mohammad Hanif Razvi Nagar...
Near Jamia Masjid, Arcot Dargah,
BIJAPUR-586104, (Karnataka)

ملنے کا پتہ :

۱- قادری بک ڈپو۔ نو محلہ۔ بریلی
۲- ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ علی گڑھ
۳- بیت السادات دودھ پور علی گڑھ
۴ مکتبہ جام نور ۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

فہرست مضامین

اِرتسام

اسلاف کرام اور سابق علماء مصنفین اصحاب نفوس قدسیہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات میں حمد و ثنا و صلوٰۃ و سلام کے بعد خطبۃ الکتاب میں اپنا تعارف کراتے ہیں اس لئے کہ قارئین صرف کتاب ہی نہیں پڑھتے بلکہ کتاب لکھنے والے سے بھی واقف ہونا چاہتے ہیں اور یوں بھی کلام کی عظمت اور اس کی تاثیر متکلم و مصنف کی عظمت اور اس کے صالح کردار کے تابع ہے۔ اگر مصنف و متکلم صاحب فکر و نظر، صاحب عقل و تدبیر، صاحب علم و فضل اور صاحب عملِ صالح ہے تو اس کی تصنیف کی قوتِ تاثیر اتنی ہی زیادہ ہوگی اور پڑھنے والوں پر اس کے گہرے اثرات ہونگے۔

یہ کم علم و بے بضاعت اگرچہ ان بزرگوں کے شمار و قطار میں تو کجا ان کے گرد پا بھی نہیں ہے مگر ان کا عقیدت مند ہے اور ان سے روحانی تعلق رکھتا ہے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہے۔ اُن کے اس طریقہ کی اتباع میں مناسب خیال کیا کہ اپنے نام و نسبت سے قارئین کو روشناس کرے اس اُمید کے ساتھ کہ اس کتاب کو پڑھنے والے اس گنہگار کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اہل علم سے عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ بہ نظر غائر فرمائیں اور مخلصانہ اصلاح و عفو و درگزر سے نوازیں۔

اس ناچیز کا نام ظہیر احمد زیدی ابن سید دائم علی زیدی ابن سید عالم علی زیدی رحمہم اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقیر کا نام ظہیر الدین احمد فرماتے تھے۔ آبائی وطن قصبہ نگینہ ضلع بجنور (یوپی) حال متوطن شہر علی گڑھ محلہ دودھ پور بیت السادات۔ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ سے درس نظامیہ سے فراغت حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبۂ دینیات میں تدریس کی خدمت انجام دی اور پھر اسی کو وطن بنالیا۔

فقیر کے دامن میں اگر کچھ فضل و کمالِ علمی جاہ و جلال یا کچھ مکارم و محاسن ہوں تو

اُن کا اظہار حقیقت پسندی و صداقت شعاری سے کیا جائے مگر یہاں تو تہی دامنی اپنا طرۂ امتیاز بن گیا ہے۔ دارالعلوم ریاست دادوں میں سرتاج علماء منبع الاساتذہ، صدر الشریعۃ ابو المجد و العلی حضرت مولانا امجد علی علیہ الرحمہ صاحب بہار شریعت سے علم و فضل کا جو خزانہ ملا تھا مسلم یونیورسٹی کی مخصوص تدریسی بے قرار فضاؤں میں اس کا بہت سا حصہ تحلیل ہو گیا۔ اب کیا بار بار پیش کیا جائے اور بے اصل و غیر واقعی اور خلاف حقیقت ستائش سخت مذموم بلکہ ممنوع رب فرماتا ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ہرگز نہ سمجھنا انھیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے ان کی تعریف ہو۔ ایسوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ جاننا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آل عمران آیۃ

۲ - اسی لئے میں نے ڈاکٹر مولوی غلام یحییٰ انجم ریڈر فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی نے جب اپنی محبت و حسن خلوص میں میرے بارے میں کچھ لکھنا چاہا تو میں نے سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ وہ ہرگز کسی مبالغہ یا غیر واقعی ستائش سے کام نہ لیں اور لفظ "علامہ" بھی استعمال نہ کریں۔ ان کا وہ مقالہ کتاب بہار شریعت حصہ انیسویں میں شائع ہو گیا ہے۔

اس ناچیز کو اگر کچھ حاصل ہے تو چند عظیم و اعظم نسبتیں ہیں۔ جن پر مجھے فخر ہے ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سربلند رکھیں گی۔

۱ - پہلی نسبت تو مجھے باعث تخلیق کائنات، افضل الخلق رحمۃ للعالمین، سید الانبیاء و المرسلین محبوب رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلوٰت اللہ و سلامہ علیہ کی ذاتِ اقدس و اطہر سے ہے اور یہ نسبت نسبی ہے بلا شبہ میں اپنے اسلاف و مشائخ کے واسطے سے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایۂ رحمت و عاطفت میں ہوں اور اس جناب کی بارگاہِ منبع علم و قاسم نعمت سے مجھے اپنے رب کی نعمتیں و برکتیں بے شمار حاصل ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ فالحمد للہ حمداً کثیراً طیباً۔

۲ - دوسری نسبت اس ناچیز کو سید الفقہاء و العلماء صاحب الاخلاص و الاحسان و العمل استاذ الکل و استاذ علماء برصغیر صدر الشریعۃ حضرت مولانا الحاج ابو العلی امجد علی اعظمی رضوی طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ سے ہے جن کے نور علم سے ہند و پاک کی سرزمین منور و روشن ہے اور جن کی تصنیف بہار شریعت نے دین سے شغف رکھنے والوں کے لئے چمنستانِ علم و فقہ کے

دریچے کھول دیئے ہیں اُس ذات گرامی سے مجھے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور یہ تصنیف انھیں کا کرم انھیں کا فیضان اور انھیں کی عطا ہے۔

۳۔ تیسری نسبت مجھے سید الاصفیا، صاحب الصدق والصفا، مظہرِ حسنِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سیدی و سندی شیخ العلماء و حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ سے ہے جن کو آقائے نعمت، سید الکونین، نورٌ من نور اللہ و سلطان الکائنات، قدسی صفات، صاحب اعظم المعجزات بعثۃ اللہ علی المومنین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ حسن و جمال سے وہ حصہ ملا تھا کہ دل ان کی طرف کھنچتے تھے اور نگاہیں اُن سے آسودہ ہوتی تھیں اور نفوس اُن سے روحانی راحت و سکون حاصل کرتے تھے۔ حسن و جمال و شیرینئ مقال، صاحب فضل و کمال، مرشد ملکوتی خصال، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، راحۃ الطالبین، ہادی المریدین، یہ تمام خصائص و کمالات آپ کو بارگاہِ قاسم نعمت محبوب رب العالمین علیہ التحیۃ والسلام سے حاصل تھے۔ اس فقیر کو ایسے شیخ کامل سے بیعت و ارادت کی سعادت حاصل ہے۔

۴۔ چوتھی نسبت مجھے قطب الارشاد، سید الاتقیاء والزہاد، مختار العباد، افضل الامجاد، شانِ جمالِ مصطفائی، عکسِ کمالِ مرتضائی سیدی و مولائی صدر نشین منصب افتا مفتئ اعظم ہند حضرت مولانا الحاج مصطفیٰ رضا علیہ الرحمہ سے ہے جن کے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے ہند و پاک کے تشنگانِ مئے طریقت و شریعت سیراب ہو رہے ہیں اور ہزاروں ہزار نفوس داخلِ سلسلہ ہو کر آپ سے فیضیاب ہیں۔ اس خادم کو ایسی پاکیزہ و مقرب بارگاہ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔

۵۔ پانچویں نسبت راقم السطور کو شہ ضیا، حاضر دربار مصطفےٰ، حضرت مولانا الحاج ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ سے حاصل ہے جو مدینۃ الرسول در جوار روضۂ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بعمر ۱۸ سال حاضر ہوئے اور تقریباً بہتر حج ادا کئے۔ سوائے زمانہ حج ادا کرنے کے مدینہ منورہ کی پاک زمین سے باہر قدم نہ رکھا۔ قریب قریب بہتّر سال بارگاہ رسالت آب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر رہے اور آپ کے فیوض و برکات اور رحمتوں سے حصہ پاتے رہے۔ نہایت درجہ صالح العمل اور تقویٰ و طہارت اور پاکیزہ صورت و سیرت تھے۔ سعودی حکومت انھیں مرعوب نہ کر سکی۔ اُن کی نگاہ کرم نے مجھے بھی اجازت و خلافت کے لئے انتخاب فرمایا۔

اب میرے پاس ان عظیم مقدس اور مطہر نسبتوں کے سوا کچھ نہیں جو کچھ ہے وہ ان کے فیوض و برکات سے ہے۔ یہ انھیں کا فیضانِ کرم ہے کہ اہل سنت کے علمی حلقوں اس ذرۂ بے مقدار کو معرفت حاصل ہے اور اہل علم و دانش نگاہِ احترام سے دیکھتے ہیں جملہ اصحاب علم و معرفت سے دعائے مغفرت کا طالب ہوں۔ یہی نسبتیں میری دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا مستحکم سہارا ہیں۔

۱۴۱۲ھ

ایک واقعہ کا اظہار اپنے لئے باعثِ رحمت و سعادت تصور کرتا ہوں۔ آج مورخہ ۲۱ جمادی الاولیٰ یوم جمعۃ المبارک ہے گزشتہ شب یعنی ۲۰ و ۲۱ جمادی الاولیٰ کی درمیانی رات یعنی شب جمعۂ مبارک میں ۴ بجے شب کے بعد میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک ایسے مقام پر ہوں جہاں اعمال کا حساب ہو رہا ہے بہت سے لوگ ہیں اور میں بھی اپنے نمبر کا منتظر ہوں کہ مجھے میرے اعمال کا حساب لینے کے لئے طلب کیا گیا۔ میں حاضر ہوا لیکن حساب لینے والی ذات نظر نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی دیر میں حساب لے کر مجھے حکم ہوا کہ جاؤ تم جنت میں جاؤ۔ میں وہاں سے رخصت ہوا تو میں نے دیکھا کہ جنت میں جانے والے کچھ اور لوگ بھی اُس جگہ بیٹھے ہیں جو جنت میں جانے والوں کے لئے ہے۔ میں بھی اُن ہی کے پاس چلا گیا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس خواب سے مجھے کافی روحانی سرور حاصل ہوا۔ اور میں نے دعا کی کہ اے رب العالمین اگر یہ خواب شیطان کی طرف سے ہے تو مجھے اس کے مکر و فریب سے اپنی حفاظت میں رکھ اور میرا ایمان و یقین کو سلامت رکھ اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رکھ اور اگر یہ خواب تیری جانب سے ایک بشارت ہے تو مجھے توفیق توبہ و انابت عطا فرما۔ اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

خادم العلماء و الفقراء

الفقیر زید احمد زیدی ابن سید دائم علی زیدی غفرلہما

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ یوم جمعۃ المبارک ۲۹ نومبر ۱۹۹۱ء

بیت السادات۔ دودھ پور علی گڑھ۔ انڈیا۔

٧٨٦

مقدّمہ

باسمہ تبارک وتعالیٰ جلّ وعلا فلہ الحمد والثناء والسّلام علیٰ نبیّہٖ صاحب الشفاعة والدرجات العلیٰ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ ذوی الصدق والصفا

سیدالفقہاء، استاذالعلماء افضل الاصفیاء، صدرالشریعۃ ابوالعلیٰ حضرت مولٰنا امجد علی صاحب رحمۃاللہ تعالیٰ مصنف "بہار شریعت" نے بہ توفیق الٰہی عزم فرمایا کہ جملہ ابواب فقہ کو بہ شمول عقائد اسلام علم دین سے شغف رکھنے والوں کے لئے اُن کی مادری زبان میں منتقل فرماکر مرتب فرمادیں۔ ابھی آپ نے ابواب فقہ میں سے کل سترہ ابواب کے مسائل ضروریہ عامۃ الورود کو مکمل فرمایا تھا کہ سفرِ آخرت کا دعوت نامہ مل گیا اور آپ اپنے رب سے واصل ہوگئے۔ باقی ابواب فقہ تشنۂ تکمیل رہ گئے جن کے بارے میں آپ نے اپنے تلامذہ سے توقع فرمائی کہ ان میں سے کوئی سعادت مند ان کی تکمیل کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے یہ اس بندۂ ناچیز کی خوش نصیبی ہے کہ "بہار شریعت" کے انیسویں حصّہ "باب الوصیۃ" کی تالیف وترتیب کی سعادت میرے حصّہ میں آئی الحمد اللہ ثم الحمد اللہ (رب تعالیٰ قبول فرمائے)

بہار شریعت وہ منفرد اور عجوبۂ روزگار کتاب ہے جس میں جملہ ابواب فقہ کے مسائل ضروریہ کو اردو داں مسلمانوں کے لئے ان کی مادری زبان میں منتقل کردیا ہے ہندوستان وپاکستان کے مسلمانوں پر حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کا وہ احسان ہے جس کا شکر وہ تاصبح قیامت ادا نہیں کرسکتے (رب کریم مصنف علیہ الرحمہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے (آمین)

وجہ تالیف:۔ ۱۹۸۰ء میں جب میں نے بہار شریعت کے انیسویں حصّہ کا کام شروع کیا

اُس وقت ذہن میں یہ بات القا ہوئی کہ بہار شریعت کو اب یہ مقام حاصل ہوگیا ہے کہ ملت کے نوجوان علماء جو مدارس عربیہ سے تحصیل علم کی فراغت کرکے نکلتے ہیں وہ روز مرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق فتویٰ بہار شریعت کے مطالعے سے لکھتے ہیں صرف تحقیقی اور دشوارطلب مسائل میں اکابرین سابق اور مستند علماء فقہ کی تصانیف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لئے مناسب ہے کہ نوخیز علماء کو فتاویٰ نویسی کے آداب وقواعد سے متعارف کرایا جائے اور بہار شریعت کی طرح وہ بھی مادری زبان اُردو میں ہو۔ چنانچہ انیسویں حصہ کی تالیف سے فراغت کے بعد فتویٰ نویسی سے متعلق قواعد وضوابط اور اس سے متعلق مفتی کے لئے ضروری اور اہم امور کی معلومات کی تالیف کا کام شروع کردیا اور قواعد فقہیہ واصولِ کلیہ میں سے بھی کچھ اصول وضوابط بیان کئے جو دورِ حاضر کے مفتیانِ کرام کی معلومات میں اضافہ کریں اور انھیں ان قواعد واصول کی روشنی میں فتویٰ لکھنے میں سہولت ہو بارگاہ حق تعالیٰ میں دست بدعا ہوں کہ وہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کو علماء وطلباء وعوام کے لئے نافع بنائے آمین۔

بلاشک اس سے دینی رجحان رکھنے والے عامۃ المسلمین بھی اپنے علم میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ اور اپنے دینی جذبے اور علم کی تشنگی کو تسکین دے سکتے لیکن مسائل کے احکام بیان کرنے اور فتویٰ دینے کا حق صرف اُن ہی علماء کو حاصل ہے جنھوں نے علوم دینیہ عربیہ مستند صحیح العقیدہ علماء سے معیاری مدارس عربیہ میں حاصل کئے ہوں۔ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے اور یاد کرلینے سے یا احادیث کا ترجمہ اردو زبان میں پڑھ لینے سے عام مسلمان احکام کی روح اور مسائل کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ خلفائے راشدین کے زمانۂ مسعود ومبارک میں بھی مخصوص افراد صحابہ وتابعین میں سے ایسے تھے جن سے مسائل کے احکام معلوم کرنے میں رجوع کیا جاتا تھا۔ ہر صحابی یا ہر تابعی کو یہ مقام حاصل نہ تھا۔ اس لئے احکام شرعیہ کو حاصل کرنے میں اور دوسروں کو بتلانے میں فقہی کتابوں کے مطالعے کے ساتھ صاحب فہم وادراک صحیح العقیدہ دینی عالم سے رجوع کرنا بہرحال ضروری ہے غیر عالم عامۃ المسلمین کے لئے قرآن کریم کا یہی حکم ہے فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ط

دنیائے علم کے عجائبات میں سب سے بڑا عجوبہ فقہ الاسلام ہے :۔

تعلیمات اسلام کی روشنی میں علماء اسلام نے دنیا کو جن علوم سے آشنا کیا اُن میں سے علم حدیث، علم اسماء الرجال اور علم فقہ وہ علوم ہیں جن کی کوئی مثال ونظیر نہیں۔ ان علوم کی تدوین میں محققین اسلام نے جو محنتیں، کاوشیں کیں، دور دراز سفر کی جو مشقتیں برداشت کیں اور جس طرح خدمت دین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور خالصاً لوجہ اللہ دن ورات اسی میں لگے رہے یہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

احکام فقہیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہیں افعال واعمال انسانی کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے لئے فقہ اسلام میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کیا گیا ہو اگر کسی مسئلہ اجنبی سے متعلق صراحۃً حکم نہ ملے تو ایسے اصول و قواعد ضرور ملیں گے جن کے ذریعہ وہ حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ فقہ اسلام نے اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ عالمی تمدن و معاشرت پر بھی گہرے نقوش قائم کئے ہیں اور ایک بہتر صالح اور فلاحی معاشرہ قائم کیا ہے اور دنیا کی اس کی طرف راہ نمائی کی ہے۔ بہت سے غیر مسلم محققین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں اور انھوں نے اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف بھی کیا ہے۔ جن غیر مسلم اہل علم اور قانون داں محققین نے فقہ اسلامی کی عظمت، جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف کیا ہے اُن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

(۱) فرانسیسی پروفیسر لامیبر (۲) پروفیسر لیوی اوکان یہ پیرس کے کالج میں استاد تھے (۳) ڈاکٹر انتریکوانا یا (۴) پروفیسر بیوار کا ذیلی (۵) عظیم عیسائی رہنما فارس الخوری (۶) مشہور مستشرق سانتیلانا (۷) لبنان کے عیسائی عالم سلیم باز (۸) جرمن مشہور قانون داں جوزف کوہلر (۹) وائنا یونیورسٹی کے لا کالج کے پرنسپل شپرل (۱۰) پروفیسر ومبری (۱۱) امریکن ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہوکنگ اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں "میں اپنے آپکو حق و صداقت پر محسوس کرتا ہوں جب یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول و مبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں" یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو کر "روح السیاسۃ العالمیۃ" کے نام سے شائع ہوئی۔ (فقہ الاسلام مصنفہ حسن احمد الخطیب باب ہفتم فصل ہفتم)

کیا اسلامی فقہ رومی قوانین سے متاثر یا ماخوذ ہے۔

بعض مستشرقین نے اسلام دشمنی کے اندھے تعصب کا شکار ہو کر یہ الزام تراشا کہ "اسلامی فقہ رومی قانون سے ماخوذ ہے"۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار گولڈزیہر، سانتلانا، شیرمان اور ایموس کی تحریروں میں کیا گیا بعد میں دیگر غیر مسلم عیسائی مصنفوں نے بھی اس کو ہوا دی اور اس دعویٰ کو دور از کار بے سروپا دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی انھوں نے اس سے یہ تو فائدہ حاصل کیا کہ عیسائی رائے عامہ کو گمراہ کیا لیکن کاغذ کی ناؤ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی اور دیر تک چل نہیں سکتی بہت جلد اس دعویٰ کی قلعی کھل گئی اور حقیقت صادقہ صاف صاف سامنے آگئی

(۱) "رومی قوانین" بقول پروفیسر گبن اپنے دور اول میں صرف بارہ تختیوں کی تدوین پر مشتمل تھے۔ پھر رفتہ رفتہ شہنشاہوں کی خواہشات کے مطابق مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے رہے ارتقاء رومی قانون کے مورخین نہایت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رومی شہنشاہ جسٹینیان کے دور میں اس پر زوال آیا اور اس شہنشاہ کی وفات ۵۶۵ء کے بعد تو یہ بدترین اضمحلال کا شکار ہوا اور پھر اس کا چراغ ہی بجھ گیا۔ اس کے بعد یہ رومی قانون کلیساؤں میں محدود ہو کر رہ گیا خود اہل یورپ بھی اس سے آشنا نہ رہے تقریباً ساڑھے چار سو سال کے بعد پھر اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی (کتاب مبادی قانون روما) یعنی قانون روما چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر سے لے کر گیارھویں صدی کے ربع اول تک گوشہ گمنامی میں رہا جب کہ فقہ اسلامی کی ابتدا ساتویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی سے ہوئی اور دسویں صدی عیسوی تک اپنے عروج کو پہونچ کر مکمل ہو گئی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جو زمانہ رومی قانون کے اضمحلال اور گوشہ گمنامی میں رہنے کا ہے۔ عین وہی زمانہ فقہ اسلامی کی ابتداء، نشو و نما اور عروج و کمال تک پہنچنے کا ہے۔ لہذا فقہائے اسلام کا رومی قانون سے واقف ہونے اور استفادہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ایسے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ رومی قانون کے علماء نے اس کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں فقہ اسلامی سے استفادہ کیا انکی چھاپ رومی قانون میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ جرمن مورخ موسیہم اپنی کتاب تاریخ کلیسا میں لکھتا ہے "کہ پاپائے روم ہربرٹ فرانسیسی اپنی تعلیم میں اندلس کے عربوں کی کتابوں اور ان کے مدارس کا مرہون منت ہے وہ ۱۰۳۵ء میں علم حاصل کرنے کے لئے ہسپانیہ گیا اور وہاں

قرطبہ اور اشبیلیہ میں عرب علماء کا شاگرد رہا۔ تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہ آگے لکھتا ہے " لہٰذا انھوں نے یعنی پوپ ہربرٹ اور اس کے ساتھ اندلس میں عرب علماء سے علم حاصل کرنے والے عیسائیوں نے بسہولت جو بولی یا جو بھی قوانین فقہ اسلامی سے اخذ کئے یہ وہی قوانین تھے جنھیں انھوں نے جدید رومی قانون سے موسوم کیا تھا

(فقہ اسلام بحوالہ تاریخ کلیساء)

(۲) ہدایہ کی شرح " النہایہ " کے حواشی میں ابوالولید عبداللہ نے جو بیان کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی ثابت ہوتا ہے کہ رومی قوانین فقہ اسلامی سے مستفاد ہیں۔ ابوالولید اس حاشیہ میں بیان کرتے ہیں کہ یورپ کے طلباء جو اندلس کے شہر غرناطہ میں تحصیل علم کے لئے آتے تھے فقہ اسلامی کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کے لئے بہت سرگرمی کا اظہار کرتے تھے کیونکہ چوتھی و پانچویں صدی ہجری میں ان کے ملکی قوانین بہت خراب تھے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ اسلامی قوانین ان کے ممالک میں رائج ہوں۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے فقہ اسلامی کو اپنے طور پر مرتب کرلیا تھا اور اپنے ملک کے حالات کے مطابق اس میں تبدیلی کرلی تھی۔ (فقہ الاسلام ص۵۲۸)

(۳) ملل و ادیان کا تقابلی مطالعہ کرنے والے علماء مذاہب عالم، مؤرخین اور اہل دانش خوب جانتے ہیں کہ قانون روما کوئی مکمل قانون نہیں ہے۔ دور اول میں وہ صرف بارہ تختیوں پر تحریر تھا۔ گیارھویں صدی کی چوتھی دہائی کے بعد اس کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی اثرات سے اس میں توسیع کی گئی رفتہ رفتہ اس کی ضخامت میں اضافہ ہوا پھر بھی وہ جملہ حقوق انسانی اور اس کی قانونی ضرورتوں کا کفیل نہ ہوسکا نہ آج تک اس میں اتنی وسعت پیدا ہوسکی کہ وہ انسانی معاشرہ کی جملہ انواع و اقسام اور عدل و انصاف کے جملہ تقاضوں کو پورا کرسکے اور انفرادی و اجتماعی حقوق انسانی کا تحفظ کرسکے وہ ایک محدود دائرے میں محدود ہے جس میں انسانی زندگی کی وسیع تر ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں اس کے مقابلے میں فقہ اسلامی ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس میں انسانی زندگی کے جملہ امور و معاملات خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی و جماعتی، حیات سے متعلق ہوں یا موت سے، صحت و تندرستی سے متعلق ہوں یا امراض و اسقام اور ادویات و معالجات سے، حکومت و مملکت سے متعلق ہوں یا رعایا اور محکوموں سے، جنگوں سے متعلق ہوں یا صلح و امن سے، مفاد عامہ سے ان کا تعلق ہو یا شخصی و ذاتی سے یا طہارت جسم، طہارت نفس اور طہارت فکر و خیال سے غرض ہر شے کے فقہ اسلامی

میں احکام بیان کئے گئے ہیں اور کسی بھی چیز کو چھوڑا نہیں گیا ہے۔ یہ خصوصیت و امتیاز قوانین روما کو کہاں حاصل ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن و حدیث کی اپنی ایک زبان ہے۔ اپنا مخصوص انداز بیان ہے، اپنی اصطلاح ہے جو کسی دوسرے سے نہ مستعار ہے نہ مستفاد۔ رومی قوم قانون اور قوانین کا لفظ استعمال کرتی ہے جب کہ قرآن و حدیث اس لفظ کو استعمال نہیں کرتے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کہیں یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کی بجائے وہ اپنی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور وہ ہے۔ احکام، امر و نہی، حرام و حلال، اثم و معصیت اور حدود و شعائر و شرائع وغیرہا فقہ اسلامی نے بھی قرآن و احادیث کی ان ہی اصطلاح کو استعمال کیا ہے یہ سب کچھ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ فقہ اسلامی قوانین روما سے قطعاً مستفاد نہیں۔ یہ مستشرقین کا خود ساختہ خیال ہے اور اس خیال کے پردے میں وہ اپنی چوری اور کمزوری کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔

کتاب لکھنے کا مقصد :

۱۔ میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ میں علماء و فقہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کروں کہ انھیں مسائل بیان کرتے وقت اور کسی استفتاء کا جواب لکھنے میں کن کن امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور یہ کہ مسائل شرعیہ بیان کرنے اور فتویٰ نویسی کے لئے معیار علم کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ انھیں ان اکابر فقہاء و مجتہدین کی عظیم شخصیتوں کی معرفت بھی حاصل ہونی چاہیئے جن کے اقوال و تصنیفات مستند اور مفتی بہا رہیں اور جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس سلسلے میں شیخ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و فضائل کو خاص طور سے بیان کیا ہے اور ان کے معتمد تلامذہ اور ان کی مستند تصنیفات سے بھی روشناس کرادیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ تبیاناً لکل شئی ہے یعنی اس میں ہر شے کا بیان ہے " اور یہ کہ دین و دنیا کی تمام مختلف و تر چیزوں کا بیان قرآن مبین میں ہے۔ " ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین "

اس سلسلہ میں میں نے کوشش کی ہے کہ اس امر کی وضاحت کروں کہ ہمارے اکابر فقہائے کرام خصوصاً مجتہدین فقہ نے فقہ اسلام مدون و مرتب فرما کر قرآن مجید کے اس دعویٰ کو بقدر استطاعت ثابت کردیا ہے انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں طاقت بشری کے مطابق شمار و اندازہ سے زیادہ اتنے مسائل و احکام بیان کردئے کہ کوئی جز بیان کرنے سے رہ نہیں گئی ہے انھوں نے مسائل شرعیہ و فقہیہ میں اتنی کثیر تعداد میں اور اتنی ضخیم اور جامع کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کی صحیح تعداد بھی شمار میں نہیں پھر ان میں اتنے کثیر

مسائل بیان فرما دیے ہیں جن کا نہ کوئی شمار ہے نہ حد، نہایت امتِ مسلمہ اُن کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی جزاہم اللہ خیر الجزا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے مستقبل میں پیش آنے والے ممکنہ اور جدید مسائل کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں کچھ ایسے اصولِ کلیہ مرتب فرما دیے جن سے علمائے دین جدید جدید مسائل کا علم حاصل کر سکیں اُن کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے میں نے علمائے فقہ کے لئے ان میں سے کچھ بیان کئے ہیں تاکہ ہمارے علماء کو سہولت ہو۔ اور یہ سب کچھ فیضان ہے میرے اساتذہ خصوصاً حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اور میرے اکابر کا جن کے فیوض و برکات سے میں اس قابل ہو سکا کہ یہ تصنیف پیش کر سکوں۔ ورنہ "من آنم کہ من دانم"۔ اصحاب علم و علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس تصنیف میں میری کم مائگی اور بے بضاعتی کی وجہ سے جو کوتاہیاں اور خامیاں ہوں ازراہِ کرم اُن پر مجھے مطعون نہ کریں اور ہدفِ ملامت نہ بنائیں بلکہ اخلاص کے ساتھ اصلاح فرما دیں اور میرے لئے دعائے خیر و استغفار فرمائیں۔ رب کریم انھیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللّٰہ العظیم الیہ المرجع والیہ مآب۔ واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والحمد للّٰہ رب العالمین۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وعلیٰ جمیع علماء امتہ اجمعین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

الفقیر العباد الی اللّٰہ الصمد

العبد الضعیف ظہیر احمد زیدی القادری

ابن

السید دائم علی زیدی غفرلہ ولوالدیہ

متوطن قصبہ نگینہ ضلع بجنور محلہ سید واڑہ ساکن حال

بیت السادات درودھ پور علی گڑھ

مورخہ ۱۷ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۱ء

یوم چہار شنبہ

۷۸۶
۹۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد:۔

اسلام اور علم کی اہمیت

دنیا کے تمام ملل و ادیان میں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس کو یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ہر ماننے والے کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ سب سے پہلی وحی جو رسول اکمل و سید الکائنات حضرت محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ یہی ہے۔ اقرأ (پڑھو) یعنی علم حاصل کرو۔ پہلی وحی یہ ہے۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ ترجمہ:۔ پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا پڑھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھا دیا جو نہ جانتا تھا۔" آیت کریمہ کا ایک ایک لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ اسلام میں علم کی اہمیت کس درجہ ہے کہ ایک ہی مقام پر دو بار علم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس احسان کا اظہار فرمایا کہ یہ اس کا کرم ہے اس نے انسان کو علم بھی عطا فرمایا اور لکھنا بھی سکھایا۔ علم حاصل کرنے کا حکم دینے کے بعد قرآن نے دیگر جگہ علم حاصل کرنے والوں اور اہل علم کی عظمت و فضیلت

بیان فرمائی اور جہالت کی سخت مذمت بیان فرمائی۔ صاف صاف الفاظ میں فرما دیا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے فرمایا۔ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط کیا علم والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟ مطلب یہ کہ ہرگز ہرگز عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ جاہل تو گندۂ ناتراش ہے اور علماء کو کتاب الٰہی اور انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث بنایا گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ ترجمہ۔ پھر ہم نے اپنے منتخب اور چنیدہ بندوں کو قرآن کا وارث بنایا۔ یعنی کہ اوّلاً کتاب ہم نے اپنے پیارے رسول اور حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی اور انھیں ماکان و مایکون کا علم عطا فرمایا۔ پھر آپ کے بعد ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان کو بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی ان کی وراثت تو علم الٰہی اور علم دین ہے۔ تو جو اسے پالے گا وہ علم کا بڑا حصہ پالے گا۔ ایک اور مقام پر قرآنِ پاک میں فرمایا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْكُمْ دَرَجَاتٍ" اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو اور ان ایمان والوں کو جو تم میں سے علم دیئے گئے درجوں بلند فرماتا ہے" ظاہر ہے کہ ایمان لانے کا دارو مدار بھی علم و معرفت ہی پر ہے اور پھر ایمان لانے کے بعد مزید علم حاصل کرنا درجوں بلند ہونے کا سبب ہے

یہ رفعت و بلندی، یہ عظمت و فضیلت ہرگز ہرگز کسی جاہل، بے علم و بے شعور کا نصیب نہیں ہو سکتی۔ ان آیاتِ کریمہ کی تشریح میں علم کی اہمیت کے اظہار کیلئے نیز ایک مسلمان کو سچا اور پختہ مسلمان ہونے کے لئے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ" علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض عین ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ۔ علم حاصل کرو پیدائش سے لے کر قبر میں جانے تک اور فرمایا اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ" علم حاصل کرو چاہے تمہیں اس کے لئے چین تک جانا پڑے۔ ان تمام آیات اور احادیث سے بلا شک و شبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے علم حاصل کرنے کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے اور اسلام قطعاً یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بھی مسلمان خود کو علم سے محروم رکھے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے اور جس کو حاصل کرنے کا پیدائش سے لے کر موت تک حکم دیا گیا ہے اور اگر اس کے حصول میں چین جیسے دور دراز ملک میں جانے کی مشقت اور تکلیف بھی اٹھانا پڑے تو خوشی اٹھائے مگر علم حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ کیونکہ اول تو علوم کی تعداد ہی شمار سے باہر ہے پھر ہر علم کی وسعت اس قدر ہے کہ اس کا احاطہ ناممکن تو اگر تمام علوم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا جائے تو یہ تکلیف مالایطاق ہو گی یعنی یہ ایسا حکم ہو گا جس کا پورا کرنا انسان کی طاقت و قدرت سے باہر ہو گا اور شریعت ہرگز ہرگز کوئی ایسا حکم نہیں دیتی جو انسان کی قوت و استطاعت سے باہر ہو۔ نہ ہی اس حکم کا یہ مطلب ہے کہ علم حاصل کرو خواہ وہ کوئی سا بھی علم ہو کیونکہ بہت سے علم ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا شریعت حرام یا ناجائز قرار دیتی ہے بلکہ بعض علم ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا کفر ہے یعنی جو علوم ان کو گمراہی کی طرف لے جائیں فسق و فجور اور معصیت الٰہی میں مبتلا کریں ان کا حاصل کرنا سخت حرام ہے اور جو علوم انکار خدا اور کفر و الحاد وغیرہ میں مبتلا کر دیں۔ ان کا حاصل کرنا کفر ہے۔ تو حدیث پاک میں جس علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دیا ہے اس سے مراد نہ کل علوم ہیں اور نہ یہ کہ کوئی سا بھی علم حاصل کرو تو لازمی طور سے اس علم سے وہی علم مراد ہو سکتا ہے جو انسان کو حق و صداقت کی طرف لے جائے، شرک و کفر اور ہر قسم کی گمراہی سے بچائے اور اللہ کا فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ بنائے کیونکہ اسلامی تعلیمات اور بعثت و رسالت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، اس کی وحدانیت کا اقرار کرے۔ کفر و شرک اور ہر قسم کی گمراہی و معصیت سے بچے، اپنے رب کے احکام سے واقفیت حاصل کرے تاکہ ان پر عمل کر کے اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے اور انسانی معاشرت کو پاک و صاف بنائے اور ایسا علم سوائے علم شریعت و علم دین کے کوئی دوسرا علم نہیں ہو سکتا۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے وہ صرف علم دین ہے باقی علوم فرض کا درجہ نہیں رکھتے، اگر وہ گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے تو ان کا حاصل کرنا جائز ہے جیسا کہ آئندہ

بیان کیا جائے گا۔ یہ علمِ دین حاصل کرنے والوں کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں مشتے نمونہ از خروارے یہ چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ بِهٖ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ۔ جس نے تلاشِ علم کی راہ اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کی راہ آسان فرما دے گا۔ رواہ مشکوٰۃ
حضرت ابو درداء کی روایت میں اس حدیث میں مزید تفصیل ہے اس میں مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ یہ بھی روایت ہے کہ ملائکہ علم حاصل کرنے والے کی رضا اور خوشی کے لئے اپنے پَر بچھاتے ہیں اور عالم کیلئے زمین و آسمان کی ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے حتیٰ کہ سمندر کی تہ کی مچھلیاں بھی اس کے لئے دعائے استغفار کرتی ہیں اور عالم کی عظمت اور علو مرتبت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے ماہِ تمام کو باقی تمام ستاروں پر۔ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادناکم، عالم کو عابد پر اتنی ہی فضیلت ہے جتنی مجھے تمہارے کمتر درجے کے آدمی پر۔ رواہ مشکوٰۃ۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ اٰیَةٌ مُّحْکَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِیْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا کَانَ سِوٰی ذٰلِکَ فَهُوَ فَضْلٌ" یعنی یہ کہ علم دین تین چیزیں ہیں۔
۱۔ قرآن پاک کی آیات محکمہ جو منسوخ نہیں ہیں (۲) صحیح و ثابت شدہ احادیث (۳) وہ احکام جو قیاس و اجتہاد سے مستنبط ہوں اور جو ان کے علاوہ علوم ہیں وہ مدِ زائد ہیں "یعنی علمِ دین اور علمِ شریعت تو یہی تین علوم ہیں۔ رہے دیگر علوم تو ان کا حاصل کرنا اگرچہ بھی ہو وہ علم شریعت میں داخل نہیں۔ مدِ زائد میں شامل ہیں کہ اگر کسبِ معاش کیلئے کوئی علم حاصل کیا جائے اور اس کا حاصل کرنا شرعاً ممنوع نہ ہو اور وہ حاصل کیا جاتا ہے وہ ایک مدِ زائد ہے۔ ان تفصیلات سے ان حضرات کی یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیئے کہ حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ میں طلب العلم سے مراد کوئی سا بھی علم حاصل کرنا ہے اگر ایسا ہو تو پھر قرآن پاک کا نزول اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ارشادات یعنی ذخیرۂ حدیث بے مقصد ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ نزولِ قرآن کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے بندوں تک پہنچیں ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی تشریح و عملی تفسیر بیان کریں تاکہ امت ان کا علم حاصل کرے اور ان پر رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے عمل پیرا ہو۔

فقہ کیا ہے؟

لغت میں فقہ کے معنی ہیں کسی شے کا جاننا" پھر یہ لفظ علم الشریعہ کے ساتھ خاص ہو گیا۔

علماءِ اصول کی اصطلاح میں علم فقہ کی تعریف یہ ہے کہ فقہ وہ علم ہے جس میں احکام شرعیہ فرعیہ کا علم اُن کے تفصیلی دلائل کے ساتھ حاصل کیا جائے اور فقہاء کے یہاں علم فقہ کی جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علم فقہ نام ہے احکام شرعیہ اور مسائل شرعیہ کا علم حاصل کر کے اُن کو حفظ کر لینا۔ اور اہلِ حقیقت و معرفت نے علم فقہ کی تعریف ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے کہ علم فقہ کا مطلب ہے علم احکام شریعت کو عمل میں لانا۔ بقول سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ "فقیہ تو وہی ہے جو دنیا سے اعراض کرے اور آخرت کی طرف راغب ہو اور اپنے عیوب پر نظر رکھے" (درمختار و ردالمحتار)

فقہ کی ضرورت:-

فقہ کی تعریف سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فقہ کا مطلب احکام و مسائل شریعت سے واقفیت حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت فقہ ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے جیسا کہ خاتم الرسل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقاصد بعثت ہی میں اللہ عزّوجل نے اس طرف ارشاد فرمایا لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ احسانِ عظیم فرمایا کہ ان میں انہیں کے نفوس میں سے ایک عظمت والا رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے (یعنی احکامِ الٰہیہ بیان کرتا ہے) اور اُن کا تزکیۂ نفس فرماتا ہے اور ان کو کتاب (یعنی قرآن پاک) اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم خاص سے مومنین پر یہ انعام و احسان فرمایا کہ اپنے احکام و مرضیات اور اپنی کتاب و

حکمت کی تعلیم کیلئے اپنا ایک عظمت والا رسول بھیجا تاکہ وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام بیان فرمائے اور ان پر عمل کرا کے تمہارے نفوس کو پاکیزہ تر بنائے اور احکام الٰہیہ کے جاننے کا نام ہی فقہ ہے اس آیت کریمہ میں اللہ عزّ وجل نے مقصد رسالت کی وضاحت کے ساتھ آپ کی مقدس ذات کی عظمت و رفعت کو بھی بیان فرمایا جس کا اظہار لفظ مَنَّ سے ہوتا ہے دوسری آیت میں تمام امّت کو یہ حکم دیا کہ ومآ اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا "جو کچھ تمہیں عظمت والے رسول دیں وہ لے لو (یعنی اس پر عمل کرو) اور جس چیز سے یہ تمہیں روکیں منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ (یعنی اس پر عمل نہ کرو اس سے رُک جاؤ) اس آیت سے بھی مراد احکام الٰہی ہی ہیں اور انہیں کا دوسرا نام علم فقہ ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرکے فرمایا۔ یٰآیّھا الرسولُ بلّغ مآ انزل الیک من ربّک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتک۔ (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تم اس کی تبلیغ کردو یعنی دوسروں تک پہنچا دو اور اگر تم نے یہ نہ کیا اور پیغام الٰہی کو امّت تک نہ پہنچایا تو تم نے کار رسالت کو انجام نہ دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور سید الکائنات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری کو احسان عظیم قرار دیا اور احکام الٰہی اور کتاب و حکمت کی تعلیم اور ان پر عمل کرکے تزکیۂ نفس کرنا مقصد رسالت بیان فرمایا، امت کو حکم دیا کہ وہ آپ کی تعلیمات کو حاصل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہے پھر جو ان احکام الٰہیہ پر عمل کرے آپ کی اتباع اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اس کے لئے فوز عظیم کی خوشخبری سنائی فرمایا "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا" اور جو اللہ جل وعلا اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے تو اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم فقہ حاصل کئے بغیر نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاسکتی ہے نہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری اور اتباع کی جاسکتی ہے

نہ حکمت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ تزکیۂ نفس اس لئے علم فقہ تمام امّت کیلئے ایک لازمی ضرورت ہے جو اسے حاصل کرے گا وہ فائز المرام ہوگا اور جو اس سے جاہل و نابلد رہے گا اسے اپنے ایمان کو قائم رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا بھی ناممکن ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ لازمی طور پر فقہ کا علم حاصل کرے کل نہ سہی تو بقدر ضرورت ہی فقہ کا علم حاصل کرے تاکہ اپنے ایمان کا تحفظ تو کرسکے۔

علم فقہ کی فضیلت :- علماء کرام فرماتے ہیں کہ کتب فقہیہ کا مطالعہ کرنا قیام اللیل سے بہتر ہے (خلاصہ از در مختار) صاحب ملتقط نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں کہ انسان کو سب سے پہلے حلال و حرام اور احکام شرعیہ و مسائل فقہیہ کا علم حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کے مقابلے میں اسے دیگر علوم کو ترجیح نہیں دینی چاہیئے نہ صرف ان ہی میں انہماک مناسب ہے۔ تمام علوم میں علم فقہ ہی اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ اشرف و اعلیٰ ہے کسی صاحب ذوق نے کیا خوب کہا ہے ؎

اذا ما اعتزّ ذو علمٍ بعلمٍ	فعلم الفقہ اولیٰ باعتزازٍ
فکم طیبٍ یفوح ولا کمسکٍ	وکم طیرٍ یطیر ولا کبازٍ

مطلب :- جب کوئی ذی علم کسی علم سے عزو شرف حاصل کرنا چاہے تو صرف علم فقہ ہی کو یہ عظمت حاصل ہے کہ اس سے عزو شرف حاصل کیا جائے کیونکہ خوشبوئیں تو ساری مہکتی ہیں لیکن مشک جیسی کوئی خوشبو نہیں اور پرندے تو سب ہی اڑتے ہیں لیکن ہر ایک کا اڑنا باز جیسا نہیں ہے۔

علم فقہ کی عظمت و فضیلت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی اور اس کو لفظ "خیر" سے تعبیر فرمایا جو کسی شے کی مدح میں ایک جامع اور وسیع المفہوم لفظ ہے فرمایا "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" یعنی جس کو حکمت دی گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا کی گئی ارباب تفسیر نے لفظ حکمت کی تفسیر فقہ سے فرمائی ہے اس تفسیر کی روشنی میں علم فقہ خیر کثیر ہے اور فقہائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر سے نوازا ہے حضور شارع

یوم النشور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: "مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ" اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔ علامہ ابن نجیم الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بندوں سے ہر شے کے بارے میں سوال کیا جائے گا لیکن علم نافع جو موصل الی اللہ ہو اور حسنِ نیت اور اخلاصِ عمل کے ساتھ آفاتِ نفس سے بچنے کیلئے حاصل کیا گیا ہو اُس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہوگا کیونکہ وہ خیر محض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو اٹھائے گا پھر فرمائے گا اے علماء میں نے تمہیں اپنا علم نہیں دیا مگر اس لئے کہ میں تمہیں جانتا تھا اور میں نے تمہیں اپنا علم اس لئے نہیں دیا کہ میں تمہیں عذاب دوں جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا۔" یہ وہ لوگ ہیں جن کا علم و عمل خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور جنھوں نے "وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ" کے مقتضیٰ کو سمجھا اور اُس پر عمل فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسے علماء صالحین سے قیامت میں ان کے علم سے متعلق سوال اس لئے بھی نہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعا کرنے کا حکم دیا۔ "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" اے رب تو مجھے علم عظیم عطا فرما کر درجات بلند فرما۔" تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے حبیب سے اور آپ کی اتباع میں آپ کی امت سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کا طالب ہے اس لئے یہ اس کی شانِ کرم نہیں ہے کہ یہ حکم دینے کے بعد پھر علماء سے انکے علم کے بارے میں سوال کرے۔ اس لئے فقہ کی مدح و ثنا اور اس کی فضیلت میں کہا گیا ہے ؎

وَخَیْرُ علومٍ علمُ الفقہِ لانّہ — یکونُ الی کل المعالی توسلا
فانّ فقیہاً واحداً متورّعاً — علی الفِ ذی زہدٍ تفضّل واعتلٰی

ترجمہ: تمام علوم کے مقابلہ میں علم فقہ ہی سب سے بہتر علم ہے کیوں کہ یہی علم تمام عظمتوں اور بلندیوں کیلئے وسیلہ و ذریعہ ہے بلاشبہ ایک صاحب ورع و تقویٰ فقیہ ہزار عابدوں زاہدوں پر فضیلت و بلندی رکھتا ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو علم و معرفت کی عظمتوں کے حامل ہیں۔ علم دین و شریعت کی توصیف میں فرماتے ہیں۔

ما الفضلُ الا لاہل العلم انہم — علی الہدیٰ لمن استہدیٰ ادلّاء
ووزن کل امرءٍ ما کان یحسنہ — والجاہلون لاہل العلم اعداء
ففز بعلمٍ ولا تجہل بہ ابداً — النّاس موتیٰ واہل العلم احیاء

مطلب: فضل و شرف تو صرف علمائے شریعت کیلئے ہی ہے کیونکہ یہی علماء رشد و ہدایت چاہنے والوں کی ہدایت کے راہ نما ہیں۔ ہر شخص کی قدر و قیمت اس کے حسنِ عمل سے ہے اور جاہل و بے علم لوگ اہل علم کے دشمن ہیں۔ پس تم حصول علم میں کامیابی حاصل کرو اور جہالت سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ اہل علم حیاتِ ابدی پاتے ہیں اور جاہل عوام بحالت زندگی بھی مردہ ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ "حکمت (یعنی تفقہ فی الدین) اہلِ شرف کے شرف کو بڑھاتی ہے۔ غلام کا درجہ بلند کرتی ہے اور اُسے شاہوں کی مجلسوں میں بٹھا دیتی ہے اور یہ بھی ایک مشہور مقولہ ہے "لولا العلماء لھلک الامراء" اگر علماء نہ ہوتے تو امراء ہلاک ہو جاتے۔ مطلب یہ کہ امراء جب اپنی انانیت، امارت اور حکومت کے زعم میں اللہ و رسول کی نافرمانی اور خواہشِ نفس کی پیروی میں کفر و ضلالت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اس وقت علماء حق ہی انھیں اس سے روکتے ہیں اور عذابِ آخرت سے انھیں بچاتے ہیں۔

شرعی اور فقہی اعتبار سے علم کی اقسام :-

شرعی نقطۂ نگاہ سے حصول علم کی کئی قسمیں ہیں۔

پہلی قسم تو وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا شریعت میں ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرضِ عین ہے جیسے عقاید اسلام کا علم کہ اگر وہ اسلام کے ضروری عقائد کو نہ جانے گا جو کہ اسلام کی بنیاد ہیں تو وہ کس طرح اسلام پر قائم رہے گا اور جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج

جو اسلام کے پانچ ارکان سے ہیں ان پر عمل کرنے کیلئے ان کے فرائض وواجبات اور ضروری مسائل کا علم، یہ علم کہ شریعت میں حلال کیا ہے اور اس چیز کا علم کہ کن کن چیزوں سے دین ختم اور برباد ہوجاتا ہے تاکہ ایسی چیزوں سے بچے اور دور رہے اور فرائض وواجبات کی ادائگی صحیح طریقہ سے انجام دے اور مشتبہات میں مبتلا نہ ہو جیسا کہ تبیین میں ہے کہ "بلا شک وشبہ اسلام کے بنیادی ارکان خمسہ کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور علم الاخلاص کا حاصل کرنا بھی کیونکہ عمل کے صحت وثواب کا دار ومدار اسی پر ہے اسی طرح حلال وحرام اور ریا وسمعہ کا علم بھی کیونکہ اگر عمل میں ریا شامل ہوجائے تو ہر عبادت بے روح اور عابد ثواب سے محروم ہوجاتا ہے اور عجب وغرور اور حسد کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین کیونکہ یہ چیزیں بھی اعمال کو اس سخت اور ضائع کردیتی ہیں اور بیع وشرا کا علم، نکاح وطلاق اور دیگر معاملات کا علم ان لوگوں کو حاصل کرنا ضروری ہے جو ان معاملات سے متعلق ہوں اور محرمات الفاظ کا علم اور کفریہ کلمات کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں بخدا یہ اہم ترین چیز ہے اس زمانے میں محرماتِ الفاظ اور مکفر کلمات کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اب عوام بلا خوف وبلا جھجک ایسے الفاظ اور ایسے جملے بے تکلف بول دیتے ہیں جو انھیں دائرہ اسلام سے خارج کردیتے ہیں اور وہ اپنی غفلت، لاعلمی اور بے توجہی سے انکی خطاکی کو نہیں سمجھتے اور اپنا ایمان ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ روزانہ ہی اپنے ایمان کی تجدید کرلیا کریں کہ کہیں لاعلمی میں کوئی کفری کلمہ یا کفری عمل کا صدور تو نہیں ہوگیا۔

دوسری قسم علم کی وہ ہے جس کا حاصل کرنا شریعت میں فرض کفایہ ہے یعنی جس کا حاصل کرنا اور بجالانا ضروری تو ہو مگر ہر فرد پر نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کرے بلکہ اگر کچھ لوگ بھی اسے کرلیں گے تو مقصود حاصل اور فرض کی ادائیگی ہوجائے گی باقی لوگ گنہگار اور تارکِ فرض نہ ہونگے۔ تبیین میں فرض کفایہ کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ فرض کفایہ وہ علم ہے کہ انسانی معاشرت اور امور دنیا کو قائم رکھنے میں اس سے استغنا وصرف نظر نہ کیا جاسکے جیسے علمِ طب، علمِ حساب، علم لغت، علمِ قرأت، اسناد احادیث کا علم، وصایا،

وراثت کی تقسیم، کتابت، معانی وبدیع وبیان، معرفت ناسخ ومنسوخ اور علم عام خاص، نص وظاہر کا آخر کے یہ چاروں علم تفسیر وحدیث کیلئے ضروری ہیں، ایسے ہی علم الآثار والاخبار علم اسماء الرجال، علم اسمار صحابہ اُن کے فضائل اور ان کی عدالت فی الروایہ، ان کی عمریں اور علوم صنعت وحرفت، فلاحت وکاشت وغیرھا یہ تمام علوم فرض کفایہ میں داخل ہیں۔

تیسری قسم علم کی وہ ہے جس کا حاصل کرنا شرعًا مندوب ومستحسن ہے اور وہ ہے فقہ میں تبحر ومہارت پیدا کرنا اور اس پر عبور حاصل کرنا۔ اور علم القلب میں مہارت پیدا کرنا۔ تبحر فی الفقہ کا مطلب یہ ہے کہ فقہ میں اس کی معلومات زیادہ سے زیادہ ہوں اور اُس کی گہرائیوں اور باریکیوں پر نظر رکھتا ہو اور اس سے متعلق دیگر علوم شرعیہ میں بھی اسے مہارت تامہ اور ملکہ حاصل ہو۔

علم القلب سے مراد علم الاخلاق ہے اور علم الاخلاق کا مطلب ہے کہ انواعِ فضائل اخلاق کون کون سی ہیں اور ان فضائل کو حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں اور رذائل اخلاق کی قسمیں کیا کیا ہیں اور اُن سے بچنے اور محفوظ رہنے کے راستے کون کون سے ہیں۔

چوتھی قسم علم کی وہ ہے جو حرام ہے جیسے فلسفہ کا وہ حصہ جس میں عالم کے قدیم ہونے خدا کا انکار کرنے، آسمانوں کے وجود کا انکار کرنے اور دیگر کفریات ومحرمات کی تعلیم دی جاتی ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنے اسلام کی پختگی کے ساتھ ان کا رد کرنے کیلئے اور لوگوں کو اس علم کی گمراہی سے بچانے کیلئے اس کا علم حاصل کرے تو یہ جائز ہے، شعبدہ بازی سحر، کہانت اور منطق کے علم کا وہ حصہ جس سے ضلالت وگمراہی پیدا ہو۔ ان سب کا حاصل کرنا حرام ہے اسی طرح علم تنجیم بھی ہے کہ اگر علم سے مقصود یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے ماہ وسال، اوقات صلوٰۃ وسمتوں اور موسموں کی اقسام کا حال معلوم کیا جائے اور زکوٰۃ وحج کے اوقات کو جانا جائے تو مضائقہ نہیں یہ جائز ہے اور اگر علم تنجیم سے مقصود یہ ہو کہ اسکے ذریعہ سے آنے والے حوادث کو معلوم کیا جائے اور غیبی امور بتانے کے لئے

استعمال کیا جائے اور ستاروں کی گردش کے دُنیا پر اثرات ظاہر کرنے کے لئے حاصل کیا جائے حرام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "نجوم کا اتنا علم حاصل کرو جس سے تم اپنے بحری و برّی سفر میں راستوں کی شناخت کر سکو اس سے زیادہ نہیں"۔ علم نجوم اگرچہ آسمانی علم ہے جو سیدنا حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور وہ ان کا معجزہ تھا۔ اس میں ظن و تخمین یا حسابیات کو دخل نہ تھا وہ ایک روحانی قوت تھی جو منجانب اللہ عطا کی گئی تھی وہ علم باقی نہیں رہا بعد میں لوگوں نے ظن و تخمین اور حسابیات سے کام لینا شروع کر دیا اور ستاروں کے اثرات کو مؤثر بالذات مان لیا جو اسلام کے قطعاً منافی ہے۔

علم رمل بھی انھیں علوم میں شامل ہے جن کا حاصل کرنا حرام ہے علامہ ابن حجر اپنے فتاوٰی میں بیان فرماتے ہیں کہ "اس علم کا سیکھنا سخت حرام ہے کیونکہ اس علم سے عوام کے دماغوں میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اس علم کا جاننے والا اللہ عالم الغیب کا شریک ہے۔

علم سحر، علم کہانت، علم الحروف اور علم الموسیقی وغیرہ بھی علوم محرمات میں داخل ہیں اور علم طبیعی کا وہ حصہ حرام علم میں داخل ہے جو فلاسفہ کے باطل نظریات کے مطابق ہو جو اسلامی اعتقادات کو فاسد کرتے ہوں جیسے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد کہ یہ سراسر باطل اور کفر ہے۔

پانچویں قسم علم کی وہ ہے جو مکروہ ہے جیسے شعراء مولدین کے وہ عشقیہ اشعار جن میں عورتوں اور نوخیز نوجوانوں کے حسن، ناز و ادا، ان کے ہجر و وصال اور شراب کباب کی باتیں ہوں یا لغوگوئی اور کذب بیانی ہو یا ان میں مسلمان کی ہجو کی گئی جیسا کہ صاحب فتح القدیر علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا۔ ایسے ہی اشعار کے لئے حدیث پاک میں ہے لَاَنْ یَّمْتَلِیَ جَوْفُ اَحَدِکُمْ قَیْحًا خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِیَ شِعْرًا "یعنی تمہارے پیٹ میں قے بھری ہو وہ بہتر ہے اس سے کہ شعر بھرے ہوں"۔

عربی شعراء، بلغا اور خطباء کے عربی ادب میں چھ طبقات بیان کئے گئے ہیں (۱) الجاھلیۃ الاولیٰ (۲) المخضرمون (۳) الاسلامیون (۴) المولدون (۵) المحدثون اور (۶) المتاخرون۔ ان میں سے پہلے تین طبقات کے بارے میں فقہائے اسلام

فرماتے ہیں کہ ان تین طبقات کا کلام چونکہ عربی ادب میں سند کی حیثیت رکھتا ہے اور فصاحت و بلاغت اور جزالت میں اس کا وہ مقام ہے کہ قواعد زبانِ عربی انھیں کے کلام سے مرتب کئے گئے اور قواعد عربیہ پر ہی قرآن کریم اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو سمجھنے کا دار و مدار ہے اس لئے ان تینوں طبقات کے اشعار کی روایت اور ان کے ادب و لغت کی معرفت فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے فقہا فرماتے ہیں "کلام جاہلیت کے معانی و مفاہیم اور مطالب ناپسندیدہ، لغو اور خلاف شریعت اگر ہوں بھی تاہم الفاظ و تراکیب میں لسانی اعتبار سے کوئی غلطی نہیں ہے اہلِ زبان کے نزدیک وہ نہایت فصیح و بلیغ اور مستند ہیں۔
(رد المحتار ۱ مقدمہ)

چھٹی قسم علم کی وہ ہے جس کا حاصل کرنا مباح ہے جیسے شعراء کے وہ اشعار جن میں نہ کسی مسلمان کی ہجو ہو نہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو نہ اس کا استخفاف یا تذلیل ہو اور وہ تمام علوم جن کے حصول میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو مباح علم کے زمرے میں آتے ہیں۔

بہرحال ان تمام علوم کی شرعی حیثیت ہمیں علم فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ صرف علم فقہ ہے جس کے ذریعے ہم کسی بھی علم کے جائز یا ناجائز ہونے کو معلوم کر سکتے ہیں اور یہ ہمارے فقہاء کرام ہیں جنھوں نے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں افعال مکلفین کے ہر ہر فعل کے جواز یا عدم جواز کو بیان فرما دیا ہے اُن کی فقہی خدمات نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامع نظامِ زندگی ہے جو انسانی حیات کے ہر پہلو کی اصلاح کرتا ہے اور قرآن پاک کا یہ فرمان لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ "یعنی قرآن کریم میں ہر شئے کا بیان ہے" ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ ہے فقہ کی عظمت و فضیلت۔

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ "فقہ حدیث کا ثمرہ ہے اور فقیہ کا اجر و ثواب محدث سے کم نہیں ہے" بلکہ درحقیقت فقیہ قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ کا جامع ہوتا ہے۔ اشباہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ کوئی دوسرا انسان یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اسے کیا اور کتنا ثواب دیگا اور اللہ اسے کیا کیا اعلیٰ حقیقتیں عطا فرمائیگا کیونکہ ارادہ الٰہی مغیبات میں سے ہے مگر فقہائے کرام

اس ارادہ کو جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

شارح مسلم شریف امام نووی فرماتے ہیں حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام علم ان چھ حضرات میں تھا سیدنا حضرت علیؓ، سیدنا حضرت عمرؓ، سیدنا حضرت ابی بن کعبؓ، سیدنا ابو دردا ؓ، سیدنا حضرت زیدؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین (تقریب از رد المختار ج ۱ ص ۳۲)

علماء محققین فرماتے ہیں، فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد علیہ الرحمہ نے اس کا دانہ جدا کیا، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو باریک پیا، حضرت امام ابو یوسف نے اس کا آٹا گوندھا اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روٹیاں پکائیں اب تمام امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور جلالت علم ان کی تصانیف سے ظاہر ہے جیسے جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات اور النوادر وغیرھا ایک روایت کے مطابق فقہ میں امام محمد علیہ الرحمہ کی تصنیفات کی تعداد ۹۹۹ نو سو ننانوے ہے آپ کی ہی تلامذہ میں سے امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیوہ ماں سے عقد کر لیا تھا اور امام شافعی ہی کو اپنا تمام مال اور کتب خانہ دے دیا تھا۔ امام شافعی کے فقیہ و مجتہد ہونے کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب یہی ہے خود امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص علم فقہ حاصل کرنا چاہے اُسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ و اصحاب کا دامن تھام لینا چاہیے کیونکہ حقائق ان پر منکشف کر دیئے گئے ہیں اور معانی مفاہیم تک رسائی ان کے لئے سہل بنا دی گئی ہے۔ پھر فرمایا واللہ میں ہرگز فقیہ نہ ہوتا اگر میں محمد بن الحسن شیبانی کا دامن نہ تھام لیتا اور ان کی کتابیں میرے پاس نہ ہوتیں۔

حضرت اسمٰعیل بن ابی رجاء فرماتے ہیں، میں نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کو خواب میں دیکھا میں نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا انھوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی اور فرمایا۔ اگر میں تجھے عذاب دینے کا ارادہ رکھتا تو یہ علم تجھے نہ دیتا۔ حضرت اسماعیل نے دوسرا سوال کیا کہ "ابو یوسف کہاں ہیں" جواب میں فرمایا ہم سے دو درجہ اوپر"۔ پھر میں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں سوال کیا فرمایا" وہ تو بہت ہی بلند اعلیٰ علیین میں ہیں۔ صاحب درمختار علامہ علاؤ الدین الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ علیین میں ہونا قطعاً تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آپ اس درجہ عابد و زاہد متقی اور صاحب ورع تھے کہ چالیس سال تک آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی اور آپ نے اپنے رب کا سو بار خواب میں دیدار فرمایا۔ آپ نے اپنے آخری بار حج میں حجبۃ الکعبہ (محافظین کعبہ) سے کعبہ کے اندر داخل ہو کر اندرون عمارت کعبہ نماز ادا کرنے کی اجازت چاہی آپ اندر داخل ہوئے اور دو ستونوں کے درمیان عالم شوق میں صرف داہنے پیر پر کھڑے ہو کر بایاں پیر سیدھے پیر کے اوپر رکھ لیا یہاں تک کہ اسی حالت میں قرآن پاک نصف پڑھ لیا پھر رکوع و سجدہ کیا دوسری رکعت میں بائیں پیر پر کھڑے ہو کر داہنا پیر اٹھا کر بائیں پیر پر رکھا اور نصف آخر قرآن پاک ختم فرمایا۔ جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوئے تو بے ساختہ روتے ہوئے اپنے رب سے مناجات کی اور عرض کیا۔ اے میرے معبود اس کمزور و ضعیف بندے نے تیرا کچھ بھی حق عبادت ادا نہیں کیا لیکن تیری معرفت حاصل کرنے میں حق معرفت ادا کیا پس تو اس کے حق عبادت کی ادائیگی میں نقصان کو اس کے کمال معرفت کے بدلے بخش دے، اس وقت خانۂ کعبہ کے ایک گوشہ سے یہ غیبی آواز آئی :" اے ابو حنیفہ بے شک تو نے حق معرفت ادا کیا اور ہماری عبادت کی اور بہترین عبادت کی یقیناً ہم نے تیری مغفرت فرما دی اور اس کی بھی جس نے تیری اتباع کی اور جس نے تیرا مسلک اختیار کیا یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ سے کسی نے سوال کیا کہ، آپ اس بلند مقام پر کیسے پہنچے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل نہیں کیا۔

اور جو مجھے نہیں آتا تھا اس میں دوسروں سے استفادہ کرنے سے میں کبھی نہیں رُکا۔ امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے علم کا یہ درجہ کس طرح حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے علم حاصل کرنے میں سخت محنت کی اور بیش از بیش شکرِ الٰہی ادا کیا۔ کہ جب بھی مجھے کسی چیز کی فہم ملی اور علم و حکمت حاصل ہوا تو میں نے الحمد للہ کہا تو اللہ تعالیٰ میرا علم زیادہ فرماتا رہا۔ مسافرینِ کرام یا بقول امام شافعی مسعر بن کدام کہتے ہیں جس نے امام ابو حنیفہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان میں لے لیا مجھے امید ہے کہ کہ پھر اُسے کوئی خوف نہ رہے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے مجھ پر فخر فرمایا اور میں اپنی امت میں سے ایک شخص پر فخر کروں گا جس کا نام نعمان اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام مجھ پر فخر کریں گے اور میں ابو حنیفہ پر فخر کروں گا۔ جو اس سے محبت کرے گا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (تقدمہ شرح مقدمہ ابی اللیث) علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ یہ موضوع حدیث ہے لیکن "الغبار المعنوی" میں ابن جوزی کے اس قول کو تعصب پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد اور مختلف طریقہ پر روایت کی گئی ہے۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان" میں فرمایا۔

"امام ابو حنیفہ کے حالات، کرامات اور اخلاق و سیرت جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں جو شخص بھی ان کا مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا کہ آپ کی عظیم بلند شخصیت اس امر سے بے نیاز ہے کہ آپ کے فضائل میں موضوع احادیث کا سہارا لے۔ نیز فرمایا کہ جو چیز آپ کی عظمتِ شان اور علو مرتبت کے لئے استدلال کا کام دیتی ہے وہ یہ حدیث ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ۱۵۰ھ میں زینتِ دنیا

اٹھالی جائے گی۔ شمس الائمہ کردری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام ابو حنیفہ کی ذات پر محمول ہے کیونکہ آپ کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ اور احادیث صحیحہ بھی آپ کی شان میں وارد ہیں جو آپ کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتی ہیں (۱) بخاری و مسلم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی اور طبرانی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ایمان ثریا پر ہوتا تو رجالِ فارس اس کو وہاں سے بھی حاصل کر لیتے (۲) ابو نعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی اور شیرازی و طبرانی قیس بن سعد بن عبادہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اگر علم ثریا کے پاس معلق ہوتا تو بھی (ابنائے فارس) اُسے حاصل کر لیتے۔ اور طبرانی کے لفظ بروایت قیس یہ ہیں کہ "عرب اسے نہ پائیں گے ابنائے فارس ضرور حاصل کر لیں گے۔ روایت مسلم ابو ہریرہ سے ہے۔ "اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا تو بھی ابنائے فارس لے جاتے حتیٰ کہ اسے حاصل کر لیتے" اور روایت شیخین میں حضرت ابو ہریرہ سے ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر دین ثریا پر معلق ہوتا تو بھی فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا اور فارس سے مراد اس کے مشہور شہر نہیں ہیں بلکہ عجمی قوم مراد ہے اور وہ فارس کے لوگ ہیں کیونکہ دیلمی کی روایت ہے "خیر العجم فارس" اور امام ابو حنیفہ کے دادا فارس ہی سے تھے اکثر علماء کی یہی تحقیق ہے۔ علامہ حافظ سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہ حدیث جس کی امام بخاری نے روایت کی ہے اصل ہے صحیح ہے۔ اس پر اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اشارہ حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف ہے اور حاشیہ شبراملسی علی المواہب میں۔ علامہ شامی جو کہ حافظ سیوطی کے تلمیذ ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا یہ جزم کہ اس حدیث سے امام ابو حنیفہ مراد ہیں یہ وہ جزم و یقین ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ابنائے فارس میں آج تک کوئی فرد بھی علم کی اس بلندی اور مقام پر نہیں پہنچا جس پر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ علامہ جرجانی امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب میں بحوالہ

سند حضرت سہل بن عبداللہ التستری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر امتِ موسیٰ اور عیسیٰ میں امام ابوحنیفہ جیسے ہوتے تو ان کی امت یہود اور نصاریٰ نہ بن سکتی، یعنی ان کی امت میں اسی طرح کے عقاید ضالہ باطلہ داخل نہ ہو سکتے۔ اگر ان امتوں میں امام اعظم ابوحنیفہ جیسا روشن دماغ، صاحبِ فہم ادراک، صاحب عقل وبصیرت، علوم دینیہ کا ماہر وکامل صاحبِ صدق وصفا اور عارف بالحق ہوتا تو وہ اُن کے عقاید باطلہ اور نظریاتِ فاسدہ ضالہ کا رد کرتا اور اُن امتوں کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے روک دیتا۔

امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ کے فضائل ومناقب اور کمالات احاطۂ شمار سے زیادہ ہیں۔ سبط ابن جوزی نے دو بڑی جلدوں میں ان مناقب کو بیان کیا ہے اور ان کا نام "الانتصار لامام ائمۃ الامصار" رکھا۔ جن علماء عظام نے آپ کے فضائل ومناقب میں تصنیفات کیں اور آپ پر حاسدوں کی طرف سے کئے جانے والے جوابات دیئے ان میں علامہ سیوطی علیہ الرحمہ ہیں۔ انھوں نے تبییض الصحیفہ تصنیف کی اور علامہ ابن حجر المکی الشافعی نے جو کتاب لکھی اُس کا نام خیرات الحسان رکھا جس کا ذکر کچھ ہی پہلے کیا جا چکا ہے۔ اسی موضوع پر علامہ یوسف ابن عبدالہادی کی کتاب تنویر الصحیفہ ہے اس میں علامہ یوسف بن عبدالہادی نے ابن عبدالبر کا یہ قول بیان کیا کہ "حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں کوئی برا لفظ ہرگز نہ کہا جائے اور نہ کسی ایسے شخص کی تصدیق یا موافقت کی جائے جو آپ کی شان میں بدگوئی کرے، بخدا میں نے آپ سے زیادہ افضل، متورع، اور آپ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا۔ آگے چل کر مزید فرمایا کہ کوئی شخص خطیب کے کلام سے (جو انھوں نے امام ابوحنیفہ کے خلاف لکھا ہے) دھوکہ نہ کھائے کیونکہ خطیب تو بہت سے علماء کے خلاف شدید عصبیت کا شکار ہیں۔ نہ ان کی عصبیت سے امام ابوحنیفہ محفوظ رہے نہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نہ ان کے اصحاب انھوں نے سب ہی پر بھرپور حملے اور تنقیدیں کی ہیں۔ خطیب کی ان تحریروں اور تنقیدوں کے جوابات بھی لکھے گئے اور "السہم المصیب فی کبد الخطیب"

نام کا رسالہ خطیب بغدادی کے جواب ہی میں ہے۔ رہا معاملہ ابن الجوزی کا انھوں نے حضرت امام ابوحنیفہ پر طعن وتنقید میں جو کچھ کہا وہ خطیب بغدادی کی آواز بازگشت ہے۔ خود ابن الجوزی کے پوتے نے اپنی کتاب "مرآۃ الزمان" میں اپنے دادا کے کلام پر حیرت کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "علامہ خطیب بغدادی اگر طعن کرتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انھوں نے بہت سے علماء پر طعن کیا ہے (گویا یہ ان کی عادت ہے)، تعجب تو اپنے جدّ محترم ابن الجوزی پر ہے کہ انھوں نے خطیب کا اسلوب وطریقہ کیوں اختیار کیا اور اتنی بڑی بات کہی۔ سبط ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ سے تعصب رکھنے والوں میں دارقطنی اور ابونعیم (صاحب الدلائل) بھی ہیں کیونکہ انھوں نے کتاب حلیہ میں ان علماء کا ذکر کیا جو حضرت امام اعظم سے علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں کمتر ہیں لیکن امام اعظم کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ تاج السبکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جن لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ انھیں رُشد وہدایت حاصل ہو جائے انھیں چاہیئے کہ وہ تمام ائمہ سابقین کے ساتھ ادب واحترام کا طریقہ اپنائیں اور اُن کے باہمی مکالمات کی طرف توجہ نہ دیں مگر جب کہ ان ائمہ میں سے کسی کا کلام کسی واضح اور مضبوط دلیل کا حامل ہو۔ پھر بھی اگر تم اُن اقوال میں کوئی بہتر تاویل اور حسنِ ظن قائم کر سکتے ہو تو اسی پر محمول کرو بصورتِ دیگر اسے نظر انداز کردو (یعنی ان کی مذمت ومنقصت نہ کرو اور انھیں مطعون نہ کرو) ہرگز ہرگز تم ان مکالمات کی طرف کان نہ لگاؤ جو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان وقوع پذیر ہوئے یا حضرت امام مالک اور حضرت ابن ابی الذئب کے درمیان ہوئے یا حضرت امام احمد بن ابی صالح اور امام نسائی یا امام احمد اور حضرت حارث المحاسبی کے مابین ہوئے (رحمہم اللہ تعالیٰ) علامہ تاج السبکی علیہ الرحمہ والرضوان نے اس کے بعد حضرت امام مالک علیہ الرحمہ پر تنقید کرنے والوں اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ پر ابن معین کے اعتراض وکلام کو ذکر کرکے فرمایا کہ ایسے ایسے ائمہ کرام اور اکابرین پر اعتراض کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی

نادان پہاڑ کے پتھروں سے اپنا سر ٹکرائے۔ ظاہر ہے کہ نقصان خود اس کے سر کا ہوگا پتھر کا کچھ نہ بگڑے گا جیسا کہ حسن بن ہانی نے کہا ہے ؎

یا ناطح الجبل العالی لیکلمہ   اشفق علی الراس لا تشفق علی الجبل

ترجمہ: اے پہاڑ سے سر ٹکرانے والے تاکہ پہاڑ کو پھوڑ دے اپنا سر پھٹ جانے سے ڈر پہاڑ کی فکر نہ کر۔ ائمہ سلف نے اور علمائے متاخرین نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف میں اور آپ کے علم و فضل، فہم و فراست، عقل و درایت، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور احتیاط و خشیت الٰہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک عظیم ذخیرہ ہے اسے اگر مرتب کیا جائے تو صدہا کتابیں مؤلف ہو جائیں علامہ تاج السبکی نے اس کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ کے خلاف لکھا ہے یہ قطعاً غلط ہے، اس کی تردید کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت امام غزالی نے اپنی مشہور و مستند کتاب احیاء العلوم میں جہاں ائمہ اربعہ کے تراجم و حالات بیان فرمائے ہیں وہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں اُن کے الفاظ یہ ہیں "آپ نہایت درجہ عابد و زاہد و عارف باللہ تھے اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ کی خوشنودی اور رضا چاہنے والے تھے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اگر بزرگانِ سلف باہم ایک دوسرے کے بارے میں کوئی کلام یا اعتراض کریں تو کوئی تعجب کی بات ہے نہ قابلِ اعتراض اور قابلِ مواخذہ جیسا کہ ہمارے مقتدیٰ و ذوالاحترام صحابہ کے درمیان واقعات پیش آئے کیونکہ وہ سب ہی مجتہدین کے درجہ اور مقام میں تھے اس لئے یہ فطری امر ہے کہ وہ اپنے مخالف قول پر گرفت کریں اور اُسے ناپسند خیال فرمائیں خاص طور سے اس صورت میں جب کہ ان کے پاس دوسرے کے خطا پر ہونے کی دلیل بھی ہو اس سے ان کا حقیقی مقصد دین کی خیر خواہی اور دین کی مدد ہی ہوتا تھا۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ لوگ اس زمانے میں بھی (چھوٹا منہ بڑی بات) سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اور ان کے تلامذہ و اصحاب پر زبانِ طعن دراز کرنے سے

باز نہیں آتے حالانکہ اُن کے پاس علم ہے نہ عمل، اور اپنے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور معمولاتِ زندگی میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تقلید پر خواہی نہ خواہی مجبور بھی ہیں۔ ان لوگوں کی مثال اس مکھی کی سی ہے جو گھوڑے کی دُم سے جنگ کرتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ خود ان مخالفین کے اکابر اور ان کے امام مذہب نے سیدنا امام ابو حنیفہ کی جلالتِ علم، عظمتِ شان ان کی مدح و توصیف اور ادب و احترام میں کیا فرمایا کس طرح ان کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کیا ہے۔ محققین علماء کرام نے اپنی تالیفات میں ائمہ ثلثہ اور دیگر علماء کے وہ اقوال بیان کر دیئے ہیں جو انھوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعریف و توصیف میں کہے ہیں۔ خاص طور سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شانِ بلند نشان میں اظہار عقیدت و محبت۔ بے شک نیک و کامل حضرات سے نیکی و کمال کا ہی ظہور ہوتا ہے اور ناقص و بداعمال سے نقص و بدی ہی کا ظہور ہوگا۔ معترض اور بدخواہ کیلئے یہی سزا کافی ہے کہ وہ اس کامل کے فیوض و برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر محرومی سے محفوظ رکھے آمین۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بارگاہِ امام ابو حنیفہ میں ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز نفل ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کے قریب آ کر اس کے حل کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے (رد المحتار) اور ایک مستند روایت یہ ہے کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نماز فجر امام اعظم علیہ الرحمہ کی قبر کے نزدیک ادا کی تو اس میں قنوت نہیں کیا۔ جب کہ شوافع کے یہاں قنوت نمازِ فجر میں پڑھی جاتی ہے کسی نے آپ سے سوال کیا کہ حضور یہ کیا کیا آپ نے فجر میں قنوت نہیں کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "یہ صاحبِ قبر کا ادب و احترام ہے۔

حضرت سیدنا علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ائمہ مجتہدین کے متبعین پر

ضروری ولازم ہے کہ وہ ہر اس عالم کی تعظیم و احترام کریں جس کی مدح و توصیف ان کے امام مذہب نے کی ہے تقلید و اتباع اور اعتماد کا تقاضہ تو یہی ہے۔

علامہ سبط ابن الجوزی کے علاوہ بھی دیگر علمائے عظام نے حضرت امام اعظم کی ذات مقدسہ کی توصیف و تکریم میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے امام طحاوی، الحافظ الذہبی اور علامہ کردری رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الکل فخر الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں پہلے ہی خبر دے دی تھی جیسا کہ ہم نے ان احادیث میں بیان کر دیا ہے جو اس سے قبل تحریر کی ہیں۔

جس طرح علمائے محدثین کے نزدیک یہ حدیث "لَا تَسُبُّوا قُرَيْشًا فَاِنَّ عالمها يملأ الْاَرْضَ عِلْمًا" (قریش کو برا نہ کہو کیونکہ ان میں کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا) یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر محمول کی جاتی ہے اور ایک اور حدیث حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر محمول کی جاتی ہے جس میں فرمایا گیا "يوشك ان يضرب النَّاسُ اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون اعلم من عالم المدينة" یعنی عنقریب لوگ طلب علم کے لئے لمبے لمبے سفر کریں گے لیکن وہ مدینہ منورہ کے عالم کے مقابلہ میں زیادہ علم والا کہیں اور نہ پائیں گے"۔ علماء فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث کا اشارہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی طرف اور دوسری حدیث کا اشارہ امام مالک علیہ الرحمہ کی طرف ہے لیکن اس میں احتمال غیر بھی ہے مگر وہ حدیثیں جو سیدنا امام ابوحنیفہ امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کی گئی ہے ان میں مراد حضرت امام ابوحنیفہ ہیں ان میں احتمال غیر نہیں ہے کیونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلا شک و شبہ بہت بلند اور افضل ہیں کیونکہ وہ صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ ان کا مقام علم، اجتہاد، نشر دین اور تدوین احکام شرعیہ میں امام اعظم جیسا

نہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ مفضول کو وہ مقام عطا فرما دے جو افضل کو نہ ملے آپ کے مناقب و فضائل کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا مسلک و مذہب اس درجہ شائع و ذائع ہے کہ دنیا کے تمام ممالک، بلاد و امصار میں پھیلا ہوا ہے بعض ممالک اور علاقے ایسے ہیں جہاں آپ کے مسلک کو ماننے والے بھاری اکثریت میں ہیں اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے متبعین کی تعداد اقل قلیل ہے۔ نیز علمائے احناف کی کثرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ علاقہ ماوراء النہر اور سمرقند میں ایک ایسا قبرستان تھا جس میں فقہ حنفی کے ماہر علماء جن میں سے ہر ایک کا نام محمد تھا چار سو کی تعداد میں دفن ہوئے اس قبرستان کا نام ہی "تربۃ المحمدیین" تھا اسی لئے جب صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی کا وصال ہوا تو وہاں کے لوگوں نے انھیں "تربۃ المحمدیین" میں دفن نہیں ہونے دیا کیونکہ آپ کا نام محمد نہیں تھا حالانکہ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر اور ماہر و کامل عالم تھے مجبوراً آپ کو اسی قبرستان کے قریب دوسری جگہ دفن کیا گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ جن علماء نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک و مذہب کو نقل کیا اور پھیلایا ان کی تعداد چار ہزار ہے پھر ان میں سے ہر ایک کے تلامذہ اور روایت کرنے والے ان کی تعداد بھی اس قدر ہے اس سے بھی فقہ حنفی کی عظمت و مقبولیت اور اس کے علماء کی کثرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن حجر شارح بخاری فرماتے ہیں کہ کچھ ائمہ کرام نے فرمایا کہ اسلام کے مشہور ترین ائمہ میں سے کسی سے اس درجہ دین کی خدمت نظر نہیں آتی جتنی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب تلامذہ کی اور جس درجہ علم کے فیوض و برکات اور دین کا نفع علماء اور عوام نے آپ سے اور آپ کے تلامذہ سے حاصل کیا کسی دوسرے سے حاصل نہیں ہوا۔ اس معاملہ میں کوئی بھی حضرت امام ابوحنیفہ کا مثیل و نظیر نہیں ہے۔

بعض علماء نے فقہ حنفی کے تقریباً آٹھ سو ماہرین کے تراجم (حالات زندگی) اپنی کتاب میں بیان فرمائے ہیں جن میں ان کے نام اور نسب تک محفوظ کر دیئے

ہیں اور یہ اس دعوے کی دلیل ہے کہ واقعۃً آپ کی ذات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ آپ کے مسلک و مذہب کو اللہ جل وعلا نے وہ فضیلت عظمت اور قبولیت عطا فرمائی کہ صدیوں تک عہدۂ قضا احناف ہی کے پاس رہا بلکہ ایسی مثالیں شاذ و نادر ملیں گی کہ عہدۂ قضا کسی غیر حنفی عالم کو ملا ہو۔ حکومت عباسیہ کے پورے دور میں یہ عہدۂ قضا حنفی علماء کے پاس ہی رہا حالانکہ بنی عباس مسلکاً حنفی نہ تھے پھر ان کے بعد سلاطینِ سلجوقی اور خوارزمی کے زمانے میں بھی عہدۂ قضا پر علماء احناف ہی مقرر تھے اور ان کے بعد سلاطین آلِ عثمان نے بھی عہدۂ قضا پر حنفی علماء ہی کو مقرر کیا ہندوستان میں بھی اسلامی حکومت کے پورے دور میں حنفی علماء ہی اس عہدۂ پر رہے اور یہ پورا زمانہ ہزار سال پر مشتمل ہے اس کے بعد تو حکومت اسلام انتشار کا شکار ہوگئی۔ صرف ایک مصر کا علاقہ ایسا تھا جس میں عہدۂ قضا شافعی المسلک علماء کے ساتھ خاص تھا وہ بھی سلطان بیبرس کے زمانے تک (ردالمحتار)

فقہ حنفی کی فضیلت میں بعض علماء کا ایک قول یہ ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس مذہب کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فقہ حنفی کے پیرو ہوں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآنی احکام کا استفادہ براہِ راست حضرت خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائیں گے کیونکہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہی خلیفہ ہوں گے لیکن حنفی مسلک اس استفادہ کے عین مطابق ہوگا۔ اسی طرح سیدنا حضرت امام مہدی شرفہ اللہ تعالیٰ جب ظہور فرمائیں گے تو چونکہ وہ خود مجتہد مطلق ہوں گے اس لئے وہ خود مسائل کا استنباط فرمائیں گے لیکن ان کا استنباط بھی فقہ حنفی پر منطبق ہوگا۔ یہ تمام امور اس امر کی شاہد ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جمیع علماء اسلام میں آپ کو وہ فضیلت و شرافت اور وہ امتیاز و خصوصیت عطا فرمائی تھی جو آپ کے سوا کسی دوسرے امام کو نہ ملی۔

آپ نے فقہ حنفی کی تدوین کی اور اس کو ایک مستقل علم کی شکل عطا فرمائی اور قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے اصولوں پر اس کے احکام کو متفرع کیا اور قیامت تک

کے لئے امت کو بے نیاز کر دیا۔ بعض علماء نے آپ کو اس فضیلت میں سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح وہ اول شخص ہیں جنھوں نے بمشورہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قرآن و حدیث سے اصول مستخرج فرمائے پھر ان پر احکام شرعیہ متفرع کر کے فقہ کی تدوین کی اور اس علم کی بنیاد قائم کی بالیقین حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خود اس پر عمل کرنے، فقہ کی تدوین کرنے اور مسائل متفرع کرنے کا اجر ملیگا اور اس کو بھی قیامت تک اجر ملتا رہے گا جس نے اس کی تدوین و تفریع میں تالیفات کیں اور مسائل کا استخراج کیا تاکہ امت بہ سہولت مسائل شرعیہ سے آگاہی حاصل کر کے اس پر عمل کرے۔ حدیث شریف میں ہے جس نے نیک اور اچھا راستہ ایجاد کیا اسے اس کا اجر ہے اور جو اس پر عمل کرے گا اس کا بھی اجر ہے اور یہ اجر اُسے قیامت تک ملتا رہے گا بغیر اس کے کہ اس پر عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی ہو اور جس نے بُرا راستہ نکالا تو اس پر اس کا گناہ ہے۔ اور جو اس بُرے راستہ پر چلے اس کا گناہ ہے بغیر اس کے کہ بعد میں اس پر چلنے والوں کے گناہ میں کمی ہو۔" نیز حدیث پاک ہے کہ جو شخص خیر کی طرف رہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی ثواب ہے جتنا اس کو عمل کرنے والے کو۔ یہ حدیثیں دراصل قواعد شرعیہ اسلامیہ کی بنیاد ہیں جن سے بڑی تعداد میں مسائل متفرع ہوتے ہیں جو نص، سنت قیاس اور اجماع سے ثابت نہیں ہیں۔ (عمدۃ المرید للقانی)

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک و مذہب کی ایک عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس مسلک کو اولیاء کرام کی بہت بڑی تعداد نے اختیار فرمایا جو اپنے سخت مجاہدہ میں ثابت قدم رہے اور مشاہدہ حق سے سرفراز ہوئے جیسے حضرت ابراہیم ابن ادھم بن منصور البلخی شقیق البلخی بن ابراہیم الزاہد تلمیذ امام ابو یوسف القاضی متوفی سنہ ۱۹۴ھ حضرت معروف الکرخی بن فیروز استاذ سری السقطی متوفی سنہ ۲۰۰ھ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی قبر سے باران رحمت طلب کیا جاتا تھا، ابی یزید بسطامی آپ کا نام

طیفور بن عیسیٰ ہے آپ کے دادا مجوسی سے مسلمان ہوئے متوفی ۲۶۱ھ۔ فضیل بن عیاض خراسانی متوفی ۱۸۷ھ یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور حضرت امام شافعی کے استاد ہیں اور بخاری و مسلم نے ان سے روایت کی ہے، حضرت داؤد طائی ابن نصر بن نصیر بن سلیمان الکوفی تلمیذ امام اعظم متوفی ۱۶۰ھ، خلف بن ایوب تلمیذ حضرت امام محمد و زفر علیہما الرحمہ متوفی ۲۱۵ھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا (جتنا چاہا) آپ سے وہ علم صحابہ کو منتقل ہوا۔ پھر تابعین کو اُن کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو۔ اب جو چاہے خوش ہو اور جو چاہے وہ ناخوش و ناراض۔ ابی حامد اللفاف ان کا نام احمد بن خضرویہ البلخی ہے متوفی ۲۴۰ھ کبار مشائخ خراسان سے ہیں۔ عبداللہ بن المبارک آپ نہایت عابد و زاہد فقیہ اور محدث تھے، ادب و نحو، لغت اور فصاحت و بلاغت میں بھی ماہر و کامل تھے، ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے اساتذہ میں سے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی الکوفی صائم الدھر تھے ہر رات ایک بار ختم قرآن فرماتے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت امام شافعی کے شیوخ میں ہیں ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ ابی بکر الوراق ان کا نام محمد بن عمر والترمذی ہے اولیاء کرام سے ہے۔ ان اکابر اولیاء کرام کے علاوہ حاتم اصم اور سید محمد الشاذلی بکری حنفی صاحب کشف و کرامت ہیں غرض ساڑھے بارہ سو سال میں مسلکِ احناف کے جس قدر اولیائے کرام گزرے اُن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر ایک صاحب علم و فضل تھا اور صاحب زہد و تقویٰ بھی اور صاحب مجاہدہ و ریاضت بھی اور صاحب کشفؒ و کرامت بھی "وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ" اگر ان حضرات کاملین کو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مذہب میں ذرا بھی شک و شبہ ہوتا کہ اس کی کوئی بات بھی جادۂ حق کے خلاف ہے تو اپنے کشف و کرامت کے ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس مذہب کو اختیار نہ فرماتے علامہ ابوالقاسم قشیری حالانکہ نہایت درجہ شافعی المذہب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے

اپنے استاد ابو علی الدقاق سے سنا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے طریقت و معرفت ابوالقاسم نصر آبادی سے حاصل کی۔ ابوالقاسم فرماتے ہیں۔ میں نے اس کو شبلیؒ سے حاصل کیا اور انھوں نے سرّی سقطی سے اور انھوں نے حضرت معروف کرخی سے اور انھوں نے داؤد طائی سے اور داؤد طائیؒ نے یہ علم و طریقت حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کیا جو کہ اس میدان کے شہسوار ہیں کیونکہ علم حقیقت کا مبنیٰ علم شریعت اور علم بالشریعہ اور تہذیب و تصفیہ نفس ہے اور تمام بزرگانِ اسلاف نے اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم علم شریعت و طریقت اور تہذیب و تزکیۂ نفس میں کامل تھے۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "امام ابوحنیفہ علم، ورع اور زہد و ایثار کے اُس مقام پر تھے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں" عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے کیونکہ آپ نہایت متورع، متقی، پاکیزہ تر اور عالم و فقیہ تھے آپنے علم میں وہ انکشافات کئے جو دوسروں کی دسترس سے باہر تھے۔ امام ثوری نے اس شخص سے جو امام ابوحنیفہ کے پاس ہو کر آیا تھا فرمایا کہ "بلاشبہ تو ایسے شخص کے پاس آیا ہے جو تمام روئے زمین میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہے" غرض تمام ہی علماء اصفیاء عرفاء نے آپ کی مدح سرائی کی ہے اور آپ کے فضل کا اقرار کیا ہے پس جو لوگ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر آپ کی ذاتِ اقدس اس قدر کامل، افضل، اعلم اور اتقیٰ نہ ہوتی تو یہ عارفین کاملین اور ماہرین علم شریعت و طریقت کس طرح آپ کے جلالتِ علم، کمال تفقہ، زہد و ورع اور فضیلت و شرف کا اقرار کرتے اور کیوں آپکی قیصۂ خوانی کرتے اور آپ کی ذاتِ مقدسہ کو صد باعثِ افتخار سمجھتے اور آج تک آپ کی عظمت و جلالت کا اقرار پوری ملتِ اسلامیہ کو ہے۔ یقیناً آپ اپنے فضل و کمال میں منفرد ہیں حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ نے آپ کی شان میں جو مدحیہ اشعار کہے اور ان میں حسن خیالات کا اظہار کیا اُس میں انھوں نے قطعاً مبالغہ نہیں کیا بلکہ فی الحقیقت وہ امام اعظم کی مدح کا حق ادا نہ کر پائے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے صحابہ سے روایت کی یا نہیں تاریخ ابن خلکان میں بروایت خطیب حضرت امام اعظم کے پوتے کا بیان ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان ابناء فارس سے ہوں اور احرار میں سے ..... ہم کبھی غلام نہیں رہے۔ میرے جدِّ محترم امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ثابت بن النعمان بن المرزبان حضرت علی بن طالب کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت وہ (یعنی ثابت) صغیر السن تھے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے لئے (یعنی ثابت کے لئے) دعائے خیر و برکت دی اور ان کی اولاد کیلئے برکت کی دعا کی ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں وہ دعا قبول فرمائی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اور کچھ اور صحابہ کا زمانہ بھی پایا لیکن اُن سے روایت نہیں کی اور نہ اُن کی رویت سے مشرف ہوئے، جن صحابہ کا زمانہ آپ نے پایا اُن سے عدم سماع (یعنی روایت نہ کرنے کی) کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداءً اس علم کی طرف متوجہ نہ تھے بلکہ اپنے کسب معاش میں مشغول رہتے تھے جب حضرت علامہ شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی ذہانت و فطانت اور ذکاوتِ طبع کو دیکھا تو علامہ موصوف نے آپ کو علمِ دین کے حصول کی طرف متوجہ کیا اس وقت غالباً صحابہ کی وہ جماعت باقی نہ رہی ہوگی یا اُن سے ملاقات نہ ہو سکی کہ آپ اُن سے احادیث کا سماع کرتے (ردالمحتار ص۴۹)

سیدنا امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بغداد کے جیل خانے میں ہوئی جس میں آپکو خلیفہ منصور عباسی نے اس جرم میں قید کر دیا تھا کہ آپ نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی اور عہدۂ قضا قبول نہ فرمایا۔ روزانہ آپ کو قید خانے سے باہر لایا جاتا کوڑے لگائے جاتے، بسر بازار گشت کرایا جاتا۔ ایک دن آپ کو اتنا مارا گیا کہ کمر سے خون کے فوارے چھوٹ گئے اور سخت ترین اذیت پہونچائی گئی خورد و نوش بھی بند کر دیا گیا۔ آپنے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور اس کے پانچ دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ منصور کی موجودگی میں آپ کو زہر کا

پیالہ پینے کے لئے دیا گیا آپ نے انکار فرمایا کہ میں اپنے نفس کو خود قتل نہ کروں گا پھر زبردستی آپ کے حلق میں انڈیل دیا گیا جب آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا آپ نے نماز ادا فرمائی اور بحالت سجدہ آپ کا وصال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خوں غلطیدن + خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کی ولادت ۸۰ھ ہی میں ہوئی وفات ۱۵۰ھ میں عمر مبارک ستر سال تھی۔ باقی ائمہ ثلاثہ کی تاریخ ولادت و وفات بالترتیب یہ ہے حضرت سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت [illegible] میں ہوئی اور وفات [illegible] میں [illegible] سال عمر مبارک ہوئی۔ حضرت سیدنا امام شافعی کی ولادت [illegible] میں ہوئی اور وفات [illegible] میں [illegible] سال عمر مبارک پائی۔ سیدنا امام احمد بن حنبل کی ولادت [illegible] میں ہوئی اور وفات [illegible] میں ستتر سال عمر مبارک ہوئی۔

امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ :

سیدنا امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے مابین اختلاف کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک کم سن بچہ کیچڑ میں کھیل رہا ہے آپ نے ازراہِ تلطف فرمایا۔ "کہیں گر نہ جانا" اُس بچے نے برجستہ جواب دیا آپ بچئے کہیں آپ پھسل کر گر نہ جائیں کیونکہ اگر آپ گر گئے تو عالم کے گر جانے کا اندیشہ ہے" کم سن بچہ کے اِس معنی خیز جواب سے آپ متاثر ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب تلامذہ سے فرمایا۔ اگر تمہیں مسائل شرعیہ میں میرے قول کے خلاف کوئی قوی دلیل ملے تو اسے اختیار کر لو۔ آپ کی اِس ہدایت کے بعد آپ کے تلامذہ میں سے ہر ایک آپ ہی کی روایات سے مسائل اخذ کرتا تھا اس طرح آپ کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جو امام اعظم کے قول سے باہر ہو۔ والواجبہ کتاب الجنایات میں ہے "امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا "میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس میں میں نے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہو بجز اس کے کہ وہی بات کہی جو آپ نے فرمائی تھی۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی منقول ہے کہ میں نے کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ قولِ امام بیان کیا پھر آپ نے اس سے رجوع فرمایا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب امام ابوحنیفہ آپ کے طریقہ کے خلاف نہیں گئے بلکہ انھوں نے جو کچھ کہا وہ اجتہاد اور رائے اور قیاس سے کہا اور اسی قول کا اتباع کیا جو ان کے استاد نے

فرمایا۔ الحاوی القدسی کے اواخر میں ہے "جب اصحاب امام اعظم میں سے کسی کے قول کو اخذ کیا جائے تو یقین سے جان لینا چاہیئے کہ ان کا یہ قول امام ابو حنیفہ ہی سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ آپ کے تمام اکابر تلامذہ سے یہی روایت ہے (جیسے امام ابو یوسف امام محمد امام زفر اور امام حسن رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ہم نے کسی مسئلہ میں وہی قول کیا ہے، جو ہم نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے، اور یہ بات انھوں نے بڑی یقین دہانی کے ساتھ بیان کی ہے لہٰذا فقہ میں کوئی مسئلہ اور مذہب مذہب امام کے علاوہ نہیں ہے اور جس قول کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہے وہ مجازاً ہے اور ظاہر میں ہے فی الحقیقت وہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا قول ہی ہے خصوصاً جب امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ پر تمہیں اقویٰ دلیل مل جائے اسے اختیار کر لو، تو اگرچہ یہ الفاظ اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت کرتے ہیں تاہم چونکہ آپ کے اصحاب نے قوی دلیل سے مسئلہ کے علم کو انھیں اصول و قواعد سے ثابت کیا ہے جو آپ نے خود مقرر فرما دیئے ہیں اس لیے درحقیقت آپ کے اصحاب کا وہ قول بھی امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہی مانا جائے گا اور وہ رجوع عنہ نہ ہوگا۔ علامہ بیری نے اپنی کتاب شرح الاشباہ میں بیان کیا ہے کہ کوئی حدیث ایسی ملے جو مذہب امام کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کیا جائے گا اور یہی حدیث امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ صحیح روایت سے آپ سے مروی ہے "اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ"، حدیث اگر صحیح ہے تو وہی میرا مذہب ہے۔

حضرت امام اعظم سے اختلافِ روایت کی وجوہات

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اصحاب تلامذہ نے ایک ہی مسئلہ میں آپ سے مختلف روایات بیان کی ہیں اور یہی ایک وجہ اُن کے مابین مسائل میں اختلافِ حکم کی ہے امام ابوبکر البلیغی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم سے اختلافِ روایت کئی وجوہات سے ہو سکتا ہے اول یہ کہ سامع کو سننے میں غلطی ہو گئی ہو دوم یہ کہ امام نے اپنے قول سے رجوع فرما لیا ہو کسی نے یہ رجوع خود اپنے کانوں سے سن لیا اور کسی نے نہیں سنا تو اسے رجوع کا علم نہ ہوا۔ سوم

یہ کہ امام نے ایک قول علی وجہ القیاس فرمایا اور دوسرا قول بر وجہ استحسان فرمایا تو جس نے جو سنا روایت کر دیا۔ چہارم یہ کہ کسی مسئلہ کے مختلف پہلو تھے آپ نے ایک پہلو سامنے رکھ کر ایک جواب دیا اور دوسرے پہلو کو مد نظر رکھ کر دوسرا جواب دے دیا ان کے علاوہ بھی علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفتی المنظوم میں کچھ اور صورتیں بھی اختلافِ روایات کی وجوہ میں بیان فرمائی ہیں۔

(رسائل ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی المنظوم ص۲۳)

آداب الافتاء

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتب فقہیہ میں اس کا مطالعہ وسیع ہو، اصولِ فقہ اور قواعدِ فقہیہ سے واقف ہو، اس کے ساتھ ساتھ قرآنی احکام، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اور تفسیر پر بھی اس کی نگاہ ہو۔ نیز استدلال اور روایت و درایت سے بھی اسے حصہ ملا ہو کیونکہ بغیر علم شریعت فتویٰ لکھنا سراسر جہالت ہے اس لئے ضروری ہے کہ مفتی کو یہ علم حاصل ہو کہ طبقات مسائل کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں نیز طبقات الفقہا کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں اس لئے سب سے پہلے ہم ان دونوں کو بیان کریں گے اس کے بعد آداب الافتاء پر روشنی ڈالیں گے"۔

(۱) طبقات مسائل

علماء احناف کے نزدیک مسائل تین طبقات پر ہیں (۱) مسائل الاصول ان کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے مروی ہیں۔ یعنی سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ سیدنا حضرت امام ابو یوسف، سیدنا امام محمد اور سیدنا حضرت حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم اور وہ حضرات جنھوں نے حضرت امام ابو حنیفہ

امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے روایت کی۔ لیکن مشہور اغلب ظاہر الروایہ کے باب میں یہ ہے کہ ظاہر الروایہ حضرت امام اعظم امام ابو یوسف اور امام محمد علیہم الرحمہ کے اقوال ہی کو کہتے ہیں اور ظاہر الروایہ کا اطلاق جن کتابوں پر ہے وہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ چھ کتابیں ہیں۔

(۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر
ان کو ظاہر الروایہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کتابیں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہیں اس لئے یہ آپ سے بتواتر ثابت یا مشہور ہیں

(۲) مسائل نوادر :۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے راوی تو مذکورہ بالا اصحاب ہی ہیں لیکن یہ مسائل مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں جن کو ظاہر الروایہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے بلکہ یہ مسائل یا تو امام محمد علیہ الرحمہ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں جیسے کیسانیات ، ہارونیات ، جرجانیات اور رقیات۔ ان کتابوں کو غیر ظاہر الروایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں امام محمد علیہ الرحمہ سے ایسی روایات صحیحہ ثابتہ اور ظاہرہ سے مروی نہیں ہیں جیسی کہ پہلی چھ کتابیں ہیں۔ یا پھر وہ مسائل ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہیں جیسے حسن بن زیاد کی المحرر وغیرھا اور کتب الامالی جو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے املا کرائی تھیں۔

(۳) الواقعات :۔ طبقات مسائل کی یہ تیسری قسم ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب و مؤلف فرمایا جو کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے تلامذہ یا ان کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے تلامذہ میں عصام بن یوسف ، ابن رستم ، محمد بن سماعہ ، ابو سلیمان جرجانی ، ابو حفص البخاری وغیرہم ہیں اور ان کے بعد کا گروہ محمد بن مسلمہ ، محمد بن مقاتل ، نصیر بن یحییٰ ابو النصر القاسم بن سلام وغیرہم پر مشتمل ہے۔ کبھی ایسا ہوا ہے کہ ان حضرات نے اپنے قوی دلائل و اسباب کی بنا پر اصحاب مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کو ثابت کیا ہے ان کے فتاویٰ میں جو کتاب سب سے پہلے منظر عام آئی وہ کتاب النوازل ہے جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی ہے ان کے بعد دیگر فقہاء نے بہت سے مجموعے مرتب فرمائے جیسے مجموع النوازل واقعات الناطفی اور واقعات صدر الشہید وغیرھا۔ پھر بعد کے فقہاء نے اُن کے مسائل کو مخلوط و غیر متمیز طور پہ بیان فرمایا جیسے فتاویٰ قاضیخان اور الخلاصہ وغیرھا ہیں اور بعض فقہا نے ان کو ترتیب و تمیز کے ساتھ بیان فرمایا جیسے رضی الدین السرخسی کی کتاب المحیط

انھوں نے اس کی ترتیب میں اوّلاً مسائل الاصول بیان فرمائے پھر نوادر پھر فتاویٰ کو ذکر کیا یہ ذکر نا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسائل اصول میں الحاکم الشہید کی تصنیف ، کتاب الکافی نقل مذہب میں بڑی معتمد کتاب ہے اس کو قبول عام حاصل ہوا اور بڑے بڑے اکابر علماء فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے امام شمس الائمہ السرخسی کی مبسوط سرخسی اس کے بارے میں علامہ طرسوسی کا بیان ہے کہ مبسوط سرخسی کا مقام یہ ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے ، اس کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف پر عمل نہیں کیا جاتا یہ کتب مذہب میں ایک۔ اور کتاب المنتقیٰ بھی ہے یہ بھی انھیں کی ہے لیکن اس کا وہ مقام نہیں اس میں کچھ نوادر بھی ہیں۔

المبسوط جو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی گئی ہے اس کے متعدد نسخے ہیں ان میں سب سے بہتر وہ نسخہ ہے جو ابو سلیمان جرجانی سے مروی ہے۔ متاخرین علماء فقہ نے مبسوط کی بہت سی شروح لکھی ہیں۔

امام محمد علیہ الرحمہ کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظ صغیر لگا ہوا ہے اس میں وہ مسائل ہیں جن کی روایت حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان سے آپ کے شاگرد امام محمد نے بواسطہ حضرت امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لیکن جن مسائل کی روایت امام محمد نے بلا واسطہ اور براہِ راست حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان سے کی اُن کے ساتھ "کبیر" کا لفظ لگایا گیا۔ اس طرح نوادر ان مسائل کے لئے استعمال کیا گیا جن کی روایت امام محمد علیہ الرحمۃ نے اُن مذکورہ چھ کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے کی ان کو الکیسانیات ، الھارونیات ، الجرجانیات اور الرقیات سے موسوم کیا اور نوازل اُن مجموعۂ مسائل کو کہا گیا ہے جن مسائل کو مشائخ مجتہدین مذہب سے دریافت کیا گیا اور انھوں نے اُن مسائل میں کوئی نص نہ پائی اور اپنے اجتہاد سے اُن مسائل کی تخریج کی اور اُن کے احکام بیان فرمائے۔

صاحب البحر نے فرمایا محمد بن الحسن کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظ "صغیر" لگا ہوا ہے اس میں امام محمد اور امام ابو یوسف متفق ہیں بخلاف اس تصنیف کے جس میں

لفظ "کبیر" لگا ہوا ہے وہ امام ابو یوسف پر پیش نہیں کی گئی (مبسوط لتشہد) (امام محمد علیہ الرحمہ کی) کتاب اصل کا نام اس لئے اصل رکھا گیا کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اسے سب سے پہلے تصنیف فرمایا اس کے بعد الجامع الصغیر پھر الجامع الکبیر۔ صاحب البحر نے فرمایا کہ الجامع الصغیر کو امام محمد علیہ الرحمہ نے اصل کے بعد تصنیف فرمایا اس میں جو کچھ ہے وہ معتمد علیہ ہے (باب الصلوٰۃ)

کتاب الجامع الصغیر کی وجہ تصنیف :۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے امام محمد علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ تم میرے لئے وہ تمام روایات ایک کتاب میں جمع کر دو جو تم نے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہیں۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے وہ تمام مرویات ایک جگہ جمع فرما دیں اور ان کو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جن کو انھوں نے بے حد پسند فرمایا یہ کتاب (یعنی الجامع الصغیر) پندرہ سو بتیس ۱۵۳۲ مسائل پر مشتمل ایک مبارک کتاب ہے۔ بقول علامہ بزدوی امام ابو یوسف اپنے جلالتِ علم و عظمت کے باوجود اس کتاب کو ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ علی الرازی فرماتے ہیں جس شخص نے اس کتاب کو سمجھ لیا وہ ہمارے تمام ساتھیوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فہم مانا جاتا ہے۔ اس دور میں کسی شخص کو اس وقت تک قاضی نہیں بنایا جاتا جب تک اُسے پرکھ نہ لیا جائے کہ وہ الجامع الصغیر کو سمجھتا ہے اور پڑھتا ہے۔

وجہ تصنیف "السیر الکبیر" : امام شمس الائمہ سرخسی السیر الکبیر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ السیر الکبیر امام محمد علیہ الرحمہ کی آخری تصنیف ہے اس کی وجہ تصنیف یہ تھی کہ آپ کی کتاب "السیر الصغیر" اہل شام کے ایک جلیل القدر عالم حضرت عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی کے پاس پہونچی انھوں نے پوچھا یہ کس کی تصنیف ہے بتایا گیا کہ امام محمد بن الحسن عراقی کی برجستہ اُن کی زبان سے نکلا "اہل عراق کو اس موضوع میں تصنیف سے کیا لگاؤ وہ علم السیر اور مغازی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا جانیں کیونکہ غزوات زیادہ تر شام میں ہوئے غزوات کا علم وہاں کے لوگوں

کو زیادہ ہے۔ حجاز کے لوگوں کو ہے نہ کہ عراق والوں کو"، امام اوزاعی کی یہ بات جب امام محمد علیہ الرحمۃ کو پہنچی آپ کو بہت شاق گزری (اور اس کا عملی جواب دینے کے لئے) "السیر الکبیر" تصنیف فرمائی۔ آپ کی یہ کتاب جب عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی نے مطالعہ فرمائی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور فرمایا! اگر اس کتاب میں احادیث صحیحہ نہ ہوتیں تو میں کہدیتا کہ وہ من گھڑت علم سے کام لیتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپکی رائے کو صحیح جواب کیلئے متعین فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت نے صحیح فرمایا وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ اس کتاب کو تصنیف فرمانے کے بعد حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو ستر جلدوں (دفتروں) میں لکھوایا اور اس کو خلیفۂ وقت کے دربار میں بھجوایا خلیفۂ وقت نے اسے بیحد پسند کیا اور اس کو اپنے زمانۂ حکومت کا عظیم اور قابلِ فخر کارنامہ قرار دیا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

طبقات الفقہاء

ایک مفتی کیلئے جس طرح طبقات المسائل اور معتبر و مستند کتب فقہیہ اور فتاویٰ کا علم ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہیئے کہ طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کس فقیہ کا درجہ کیا ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کا قول معتبر اور قابلِ استناد ہے اور کون درجۂ اعتبار میں نہیں اس لئے ہم طبقات الفقہاء کا بیان کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں علمائے ماہرین فقہ و شریعت نے فقہاء کے سات طبقات بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ طبقہ المجتہدین فی الشرع :۔ جیسے ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین) اور وہ لوگ جو قواعد اصول کی تاسیس میں نیز ادلۂ اربعہ (قرآن پاک، احادیث، قیاس اور اجماع) سے احکام فرعیہ کے استنباط میں اصول و فروع میں بغیر کسی اور کی تقلید کے ان ہی ائمہ اربعہ کے مسلک پر ہی رہے۔

۲۔ طبقۃ المجتہدین فی المذہب : جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور جملہ تلامذہ امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم یہ حضرات اس امر کی قدرت رکھتے تھے کہ ادلۂ اربعہ سے اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہ کے مستخرجہ قواعد اصول کے مطابق احکام شرعیہ کا استخراج کر سکیں۔

۳۔ طبقۃ المجتہدین فی المسائل :۔ یہ وہ حضرات ہیں جو ایسے مسائل کا استنباط جن کے بارے میں

کوئی روایت صاحب المذہب سے نہیں ملتی۔ اپنے ائمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد؍اصول کے مطابق کرتے ہیں جیسے علامہ خصاف متوفی ۲۶۱ھ علامہ ابوجعفر الطحاویؒ متوفی ۳۲۱ھ حضرت ابوالحسن الکرخی متوفی ۳۴۰ھ حضرت شمس الائمہ الحلوانی متوفی ۴۵۶ھ حضرت شمس الائمہ السرخسی متوفی ۴۸۳ھ حضرت فخر الاسلام بزدوی متوفی ۴۸۲ھ علامہ فخر الدین قاضیخان متوفی ۵۹۲ھ وغیرھم یہ حضرات نہ اصول میں نہ فروع میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کرسکتے۔

۴۔ طبقۃ اصحاب التخریج من المقلدین: جیسے امام رازی متوفی ۳۷۰ھ وغیرہ یہ حضرات اجتہاد پر بالکل قادر نہیں لیکن چونکہ یہ جملہ قواعد اصول کا پورا علم اور مسائل و قواعد کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے تھے اس لئے ان میں یہ صلاحیت تھی کہ ایسے امور کی تفصیل بیان کردیں جہاں امام مذہب سے ایسا قول مروی ہو جو مجمل ہے اور اس میں دو صورتیں نکل رہی ہوں یا کوئی ایسا قول جو دو چیزوں کا محتمل ہے اور وہ صاحب مذہب سے یا ان کے تلامذہ مجتہدین میں سے کسی ایک سے مروی ہے اس کی تشریح و تفصیل اصول و قیاس اور امثال و نظائر کی روشنی میں بیان کردیں صاحب ہدایہ نے جہاں کہیں کہا ہے کذا فی تخریج الکرخی یا کذا فی تخریج الرازی اس کا یہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔

طبقۃ اصحاب الترجیح من المقلدین: جیسے ابوالحسن قدوری متوفی ۴۲۸ھ۔ صاحب الہدایہ۔ متوفی ۵۹۳ھ وغیرہ۔ ان کا مقام یہ ہے کہ یہ حضرات بعض روایات کو بعض پر تفضیل دینے کی اہلیت رکھتے تھے جیسے وہ کسی روایت کی تفضیل میں فرماتے ہیں ھذا اولیٰ یا ھذا اصح۔ یا ھذا اوضح۔ یا ھذا اوفق للقیاس وغیرھا۔

۶۔ طبقۃ المقلدین القادرین علی التمییز: جیسے صاحب کنز، صاحب المختار، صاحب الوقایہ صاحب المجمع اور اصحاب المتون المعتبرہ۔ ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف مردود اقوال بیان نہیں کرتے اور روایات میں قوی، اقویٰ، ضعیف، ظاہر الروایہ، ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں امتیاز و تمیز کرنے کے اہل ہیں۔

۷۔ طبقۃ المقلدین الذین لا یقدرون علی ما ذکر: یہ حضرات کھرے کھوٹے، کمزور و قوی اور دائیں بائیں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ انھیں جہاں سے بھی جو کچھ مواد مل جاتا ہے

اسے جمع کرتے ہیں اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں یہ لوگ ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی تقلید کی جائے یا ان سے مسائل میں رجوع کیا جائے

(شرح عقود رسم المفتی المنظوم لابن عابدین ص۱۵ رد المحتار ص۵۲ ج۱)

تنبیہ:- احکام شریعت کا علم حاصل کرنے کیلئے افتاء ایک لازمی اور ضروری امر ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ؁ اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں یعنی اہل علم سے پوچھ لو اس سے معلوم ہوا کہ ایک طبقہ ملت کا ایسا ہوگا جسے علم دین پر عبور حاصل نہ ہوگا اور ایک طبقہ ایسا ہوگا جو صاحب علم و فضل ہوگا اور اسے علم دین میں بصیرت حاصل ہوگی چونکہ ہر مسلمان کیلئے وہی راستہ اختیار کرنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ راستہ ہے اس لئے ہر شخص کو اپنا ہر عمل اسلام کے احکام کے مطابق رکھنا چاہئے اور اگر کسی کو کسی معاملہ میں شریعت کا حکم معلوم نہیں ہے تو اسے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان سے سوال کرکے حکم شرعی معلوم کرنا چاہئے اسی اصول کے مطابق زمانۂ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اگر انھیں کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کا علم نہیں ہے تو انھوں نے بلا تامل اہل علم سے اس کا حکم شرعی معلوم کرلیا ہے ہر زمانہ میں لوگ علمائے شریعت کی طرف مسائل شرعیہ کا علم حاصل کرنے کیلئے رجوع کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ دار الافتاء کا قیام عمل میں آیا اور اب وہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ مفتی کون ہے۔ صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ فرماتے ہیں۔

" اصولیین مضبوطی کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ مفتی کا درجہ صرف مجتہد کو حاصل ہوتا ہے جو شخص خود مجتہد نہیں ہے لیکن اسے مجتہد کے اقوال زبانی یاد ہیں وہ مفتی نہیں ہے۔ اس سے جب مسئلہ دریافت کیا جائے تو اسے بطور نقل و حکایت کسی مجتہد کا قول جواب میں بتانا چاہئے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانے میں (یعنی زمانۂ مصنف فتح القدیر میں) جو علماء فتویٰ دیتے ہیں حقیقت میں وہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ اصل میں کسی مجتہد مفتی کا قول ہے جو نقل کردیا گیا ہے تاکہ مستفتی اس پر عمل کرے مجتہد سے اس کا قول نقل کرنے کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ یا تو وہ قول اس کے پاس کسی صحیح سند سے پہنچا ہو دوم یہ کہ اس نے مجتہد کا وہ قول کسی ایسی مشہور کتاب سے لیا ہو جو دیگر علماء کے ہاتھوں میں رہتی ہو جیسے امام محمد بن الحسن رح کی کتابیں اور ایسی ہی دوسری کتب فقہیہ جو اپنی روایت و اسناد کے اعتبار سے خبر متواتر یا خبر مشہور کے درجہ میں ہیں۔" (رد المحتار ص۴۸ ج۱)

۲۔ آداب الافتاء کے سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ علمائے احناف روایات ظاہرہ میں جن مسائل پر متفق ہیں فتویٰ یقیناً انھیں پر ہوگا لیکن اگر روایات ظاہرہ میں ہمارے علماء کا اتفاق نہیں ہے تو ترجیح یہ ہے کہ فتویٰ علی الاطلاق امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول پر ہوگا لیکن اگر حضرت امام اعظم رح سے اس مسئلہ میں کوئی روایت نہ ملے تو پھر فتویٰ امام یوسف رح کے قول پر دیا جائے گا اور اگر ان سے بھی کوئی قول نہ ملے تو پھر فتویٰ حضرت امام محمد رح کے قول پر دیا جائے۔ سراجیہ میں ہے "ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہ ایک جانب اور آپکے صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ وہ جس قول کو چاہے اختیار کرے اور اگر مفتی مجتہد نہ ہو تو اول قول اصح ہے"۔

ان تینوں کے بعد پھر امام زفر رح کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور پھر امام حسن بن زیاد کے قول پر (در مختار) اور الحاوی القدسی میں اس امر کی تصحیح فرمائی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے قول کی تائید میں قوۃ مدرکہ یعنی قوی دلیل موجود ہے تو ایسی صورت میں وہ قول اختیار کیا جائے ورنہ یہی ترتیب قائم رکھی جائے گی۔ اسی وجہ سے علمائے احناف کبھی کبھی حضرت امام اعظم رح کے بعض اصحاب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ اس کی تائید میں دلیل قوی موجود ہو جیسے کہ سترہ مسائل میں علماء نے امام زفر رح کے قول کو ترجیح دی ہے لہٰذا وہ ہمارے لئے بھی قابل ترجیح ہیں کیونکہ وہ دلیل میں گہری نظر رکھتے ہیں (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

۳۔ جب امام اعظم رح سے کسی مسئلہ میں روایات مختلف ہوں یا اس مسئلہ میں آپ سے یا آپکے اصحاب سے کوئی روایت نہ ملے تو پہلی صورت میں جو روایت حجت و دلیل کے اعتبار سے اقوی ہو اُسے اختیار کیا جائے اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ امام اعظم اور آپکے اصحاب سے اس مسئلہ میں کوئی روایت ہی موجود نہ ہو دیکھے کہ متاخرین کا اس میں کیا قول ہے اگر متاخرین ایک ہی قول پر متفق ہیں تو اس قول کو اختیار کرے اور اگر متاخرین میں اختلاف ہے تو جس قول پر اکثر ہیں تو اسے اختیار کرے جس پر کہ مشہور اکابرین نے اعتماد کیا ہو جیسے امام ابو حفص، امام ابو جعفر، ابو اللیث اور امام طحاوی وغیرہم۔ اگر مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی نص نہیں ملی، نہ قول مجتہد نہ اقوال متاخرین تو پھر مفتی خود ہی اس پر علم شریعت کی روشنی میں غور و فکر کرے اور تدبر سے کام لے اور حتی الوسع کوشش کرے کہ اس کا حکم نکل آئے تا کہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو لیکن جرات یعنی اٹکل اور بے تکی باتوں سے کام نہ لے اللہ سے ڈرتا رہے اور گہرا غور و فکر کرے کیونکہ یہ نہایت عظیم ذمہ داری ہے اس میں جرات کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو جاہل ہے اور

بدبخت (رد المحتار ص۱۴۴)

فائدہ :- علامہ شامی رح فرماتے ہیں علماء کرام نے بیان فرمایا ہے عبادات کے مسائل میں فتویٰ مطلقاً قول امام اعظم پر ہے۔ مسائل ذوی الارحام میں فتویٰ قول امام محمد پر ہے اور مسائل قضا میں فتویٰ قول امام ابو یوسف پر ہے جیسا کہ قنیہ اور بزازیہ میں مذکور ہے اور شرح بیری میں مزید یہ ہے کہ مسائل شہادت میں بھی فتویٰ قول امام ابو یوسف رح پر ہے اور صرف سترہ مسائل میں فتویٰ قول امام زفر پر ہے رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۴۔ جب کسی مسئلہ میں قیاس ہو اور استحسان ہو تو معدودے چند مسائل کو چھوڑ کر عمل استحسان پر ہوگا۔

۵۔ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایہ میں مذکور نہ ہو بلکہ کسی دوسری روایت سے ثابت ہو تو اس کا حوالہ دینا چاہیئے۔

۶۔ حضرت امام نسفی رح نے مستصفیٰ میں بیان فرمایا ہے جب فقہاء کسی مسئلہ میں تین اقوال بیان فرمائیں تو ان میں راجح قول اول ہے یا قول آخر درمیانی قول راجح نہ ہوگا۔ شرح المنیہ میں ہے کہ اگر روایت ظاہرہ کے مطابق ہے تو اس سے عدول نہ کیا جائے ص۷۵ رد المحتار)

۷۔ بحر کے باب الوقف میں ہے جب مسئلہ میں دو قول ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو ان میں سے کسی بھی ایک کو افتاء و قضا کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ دونوں قول برابر حیثیت کے ہوں لیکن اگر ایک قول لفظ تصحیح سے مؤکد ہو تو اسے اختیار کیا جائے۔

۸۔ جب فتویٰ ایک قول پر ہو اور تصحیح دوسرے قول کی تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ قول اختیار کیا جائے جو متون کے موافق ہو (بحر) اور اگر ایک قول شروح میں ہے اور اس کے خلاف دوسرا قول فتاویٰ میں تو وہ قول اختیار کیا جائے جو شروح میں ہے کیونکہ فقہائے کرام کی تصریح ہے کہ متون مقدم ہیں فتاویٰ پر یہ صورت اسی وقت اختیار کی جائے گی جب ان دونوں اقوال میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہو یا دونوں میں سے کسی کی بھی تصحیح منقول نہ ہو لیکن اگر ایک مسئلہ متون میں ہے مگر اس کی تصحیح صراحۃً نہیں کی گئی اور دوسرے مسئلہ کی تصحیح بالتصریح کی گئی ہے تو وہی مسئلہ اختیار کیا جائے جس کی تصحیح بالتصریح کی گئی ہے کیونکہ تصحیح بالتصریح تصحیح التزامی پر مقدم ہے کیونکہ اگرچہ متون میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ وہ مذہب صحیح ہی بیان کریں گے تاہم یہ تصحیح سے کم تر درجہ ہے اور

اگر ایک مسئلہ میں دو قول ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے تو اگر ان میں سے ایک قول امام ہے اور دوسرا قول کسی اور مجتہد کا تو مفتی کو قول امام ہی اختیار کرنا چاہئے اس لئے کہ دونوں تصحیح متعارض ہو کر ساقط ہو جائیں گی پھر اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اصل یہ ہے کہ قول امام مقدم ہے (رد المحتار ج ۱)

۹۔ وہ الفاظ جو فقہائے کرام فتویٰ دینے میں استعمال فرماتے ہیں۔

(۱) وعلیہ الفتویٰ (۲) وبہ یفتیٰ (۳) وبہ ناخذ (۴) وعلیہ الاعتماد (۵) وعلیہ عمل الیوم ای علیہ عمل الناس فی ھذہ الزمان الحاضر (۶) علیہ عمل الائمۃ (۷) وھو الصحیح (۸) وھو الاصح (۹) وھو الاظھر (۱۰) وھو الاشبہ بالمنصوص روایۃ والراجح درایۃ فیکون علیہ الفتویٰ (۱۱) وھو الاوجہ (۱۲) وھو المختار (۱۳) وبہ جری العرف (۱۴) وھو المتعارف (۱۵) وبہ اخذ علمائنا۔

مندرجہ بالا الفاظ سے بقول صاحب الفتاویٰ الخیریہ للشیخ الرملی بعض الفاظ بعض فضیلت رکھتے ہیں مثلاً لفظ فتویٰ زیادہ مؤکد و جاندار ہے لفظ صحیح اصح اور اشبہ وغیرھا سے۔ اور لفظ وبہ یفتیٰ زیادہ مؤکد و باوزن ہے لفظ "الفتویٰ علیہ" سے اور لفظ اصح صحیح کے مقابلہ میں زیادہ قوت والا ہے اور الاحوط زیادہ مؤکد ہے الاحتیاط سے (رد المحتار ص ج ۱)

(۱۰) اگر ائمہ ترجیح میں سے دو اماموں کے اقوال متعارض ہوں ایک نے اپنے قول کو "ھو الصحیح" سے تعبیر کیا اور دوسرے نے اپنے قول کو ھو الاصح سے۔ اس صورت میں ھو الصحیح والے قول کو اختیار کرنا بہتر ہے کیونکہ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ صحیح پر دونوں متفق ہیں اور اصح میں اختلاف ہے تو متفق قول کو اختیار کرنا بہتر ہے۔

(۱۱) صاحب در مختار نے "رسالہ آداب المفتی" سے نقل فرمایا کہ جب کوئی قول یا روایت کسی معتبر کتاب میں اصح، اولیٰ، اوفق اور اسی قسم کے کسی لفظ سے مخصوص کی جائے تو مفتی کیلئے جائز ہے کہ وہ اس قول یا روایت کو اختیار کرے یا اس کے مقابل قول کو لیکن اگر وہ قول یا روایت صحیح یا الماخوذ بہ یا بہ یفتیٰ سے مزین ہے تو مفتی کیلئے ضروری ہے کہ اسی قول کو اختیار کرے مخالف قول کو اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں صحت اسی قول میں محصور ہے اور پہلی صورت میں جبکہ کسی روایت یا قول کو اصح کہا تو اس کا مطلب ہے کہ مخالف قول بھی صحیح ہے اس لئے

مفتی کو اختیار ہے کہ وہ اصح پر فتویٰ دے یا صحیح پر۔

(۱۲) علامہ علاء الدین الحصکفی مؤلف در مختار شیخ قاسم کی کتاب "التصحیح والترجیح" کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ مفتی اور قاضی میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مفتی احکام شریعت بیان کرتا ہے اور قاضی احکام شریعت کو لازم و نافذ کرتا ہے اور یہ کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا سخت جہالت ہے اور خلاف اجماع ہے اور یہ کہ "حکم الملفق (یعنی باطل سے مزین) بالاجماع باطل ہے اور یہ کہ عمل کرنے کے بعد تقلید سے رجوع کرنا بالاتفاق باطل ہے۔

۱۳۔ مفتی کیلئے ضروری ہے کہ وہ جس فقیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دے رہا ہے اس سے کما حقہٗ واقف ہو کہ اس فقیہ کا روایت و درایت میں کیا درجہ اور مقام ہے اور وہ طبقات فقہاء میں سے کس طبقہ سے ہے تاکہ وہ اقوال مختلفہ میں سے کسی قول کو علم و بصیرت کی روشنی میں ترجیح دے سکے (رد المحتار ص ج ۱)

۱۴۔ فتاویٰ خیریہ کے آخر میں ہے کہ مفتی اور قاضی کیلئے راجح و مرجوح اور قوی و ضعیف اقوال کا علم رکھنا ضروری ہے ان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسئلہ کا جواب دینے اور قضیہ کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ حقیقت کی جستجو کریں یعنی تثبت سے کام لیں اور اپنے نفس کی خواہش اور اس کی اتباع پر کسی حلال شے کو حرام اور کسی حرام شے کو حلال نہ بنائیں کہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا سب سے بڑا گناہ ہے ایسا وہی کر سکتا ہے جو عاقبت سے بے خوف ہے اور جاہل و بدبخت ہے۔

۱۵۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ناقابل اعتماد کتابوں سے فتویٰ نہیں لکھنا چاہیئے (خواہ اس لئے ناقابل اعتماد ہوں کہ ان کی نقل و کتابت میں اغلاط و خامیاں ہیں یا اس لئے ناقابل اعتماد ہوں کہ انکے مصنف معتمد علیہ نہیں یا اس لئے کہ وہ بیحد پیچیدہ اور ان کا فہم دشوار طلب ہو اور ان کی عبارات گنجلک غیر واضح الدلالۃ ہوں کیونکہ ایسی کتابوں کے سمجھنے میں کم علم لوگوں کے غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اس سے فتویٰ دینے میں غلطیوں کا قوی امکان ہے۔ ماضی میں ایسا ہوا ہے اور فتوے غلط ہو گئے ہیں۔ علامہ شامیؒ نے اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفتی میں اس کی کچھ مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ "شرح عقود رسم المفتی المنظوم" ص ۱۳، ۱۵

۱۶۔ جب امام اعظمؒ اور صاحبین علیہما الرحمہ کسی قول پر متفق ہوں تو پھر بغیر کسی شدید تر ضرورت کے اس سے عدول نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر امام صاحبؒ ایک طرف

اور صاحبین علیہما الرحمہ دوسری طرف ہوں اس وقت اگر صاحبین کی رائے بھی الگ الگ ہے تو فتویٰ قول امام پر ہوگا۔ لیکن صاحبین ایک رائے پر ہیں اور امام اعظم علیہ الرحمہ دوسری رائے پر تو عبد اللہ بن مبارک کے نزدیک اس صورت میں بھی فتویٰ قول امام پر ہوگا۔ دیگر علماء کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے کہ جس کے قول پر چاہے فتویٰ دے صاحبین کے قول پر یا امام اعظم کے قول پر۔ اس اختیار کا مطلب یہ ہے کہ وہ یعنی مفتی دلیل میں غور کرے اور جو دلیل قوی ہو اُس پر فتویٰ دے (سراجیہ از شرح عقود رسم المفتی) الحاوی میں بھی یہی ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے کیونکہ مفتی کی شان یہی ہے کہ وہ قوت دلیل پر نظر رکھے۔

۱۷۔ مجموعۂ رسائل ابن عابدین ص۱۳۱ پر ہے مفتی کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ صرف اُن ہی امور کو سامنے رکھے جو کہ کتب ظاہر الروایہ میں منقول ہیں اور زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات کو نگاہ میں نہ رکھے اگر وہ ایسا کرے گا تو اس سے بہت سے حقوق ضایع ہو جائیں گے اور اس کا نقصان نفع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ ایک شخص کبھی اس لئے کوئی حکم شرعی حاصل کرنا چاہتا ہے کہ دوسروں کو نقصان پہنچائے تو اگر مفتی اس کو حالات و زمانے کو ملحوظ رکھے بغیر فتویٰ دے گا تو گویا وہ بھی ایک طرح سے اس گناہ میں شریک ہو گیا کیونکہ مفتی کے اس فتوے کی وجہ سے دوسروں کو یہ نقصان اُٹھانا پڑا مثلاً ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کو جو اس کی ماں یا اس کی بیوی کی پرورش میں ہے چاہتا ہے کہ ان کی مدت حضانت ختم ہوتے ہی وہ اپنی اس بہن یا بیٹی کو اپنی ماں یا بیوی سے لے اور اس فعل سے اس کا مقصد اپنی ماں یا بیوی کو اذیت پہنچانا یا اس کے مال پر قبضہ کرنا یا اس کا نکاح کسی دوسرے سے کر دینا ہو تو مفتی کو چاہیے کہ جب وہ ایسے حالات کا اندازہ کرلے تو جواب میں اس کا لحاظ رکھے اور مستفتی کو بتلا دے کہ اضرار جائز نہیں ہے اگر وہ اپنی اس بہن یا بیٹی کو اپنی ماں یا بیوی سے حاصل کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

آداب الافتاء کے ان اصول و قواعد اور احکام سے معلوم ہوا کہ فتویٰ دینا اور حکم شریعت قرآن کریم یا احادیث پاک یا کتب فقہ سے بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں کہ جس کو ہر عالم یا عامی جاہل یا کم علم اور قلیل البصیرت انجام دے سکے۔ قرون اولیٰ میں افتاء کیلئے اجتہاد کی شرط تھی غیر مجتہد مفتی نہ ہوتا تھا نہ کہلایا جاتا تھا۔ اس دور میں جب کہ علم کا زوال اور علماء کمیاب ہیں بے علم لوگ چند احادیث کا ترجمہ یاد کرکے احکام شرعیہ بیان کرنے لگتے ہیں اور اللہ کا خوف ان کے دل میں نہیں آتا کچھ لوگ محض اپنی عقل کی بنیاد پر کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کا

حکم کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ کر اس کی تفصیل اور اصول و قواعد کا علم حاصل کئے بغیر بڑی بے باکی سے حکم شرعی بیان کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ واحد قہار سے خوف کھانا چاہیئے۔ اور اپنا دین و عاقبت برباد نہیں کرنا چاہیئے۔ آجکل کے نو آموز علماء بلا خوف ریا و نفاق خود اپنے ہی قلم سے خود کو مفتی اعظم، شیخ الحدیث، فقیہ العصر اور محدث کبیر وغیرہ عظیم المرتبت الفاظ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں یا لکھواتے ہیں اور اگر ان کے نام کے ساتھ یہ ضخیم الفاظ و خطابات نہ لکھے جائیں تو اپنی توہین محسوس کرتے ہیں اور اس کا برا مناتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی کم علمی اور ظرف کے چھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ انھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اپنی اصلاح کرنا چاہیئے اگر وہ صاحب علم صحیح ہوتے تو اس آیت کا مصداق ہوتے "إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" اللہ کے بندوں میں علماء ہی کو خوف الٰہی ہوتا ہے" اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے ہمیں عمل صالح کی توفیق دے اور ہماری عاقبت بخیر فرمائے آمین۔

وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

القواعد الفقہیہ .... والاصول الکلیہ

فقہ اسلامی کی بنیادیں

اسلامی احکام شرعیہ کا سرچشمہ اور ماخذ: شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام و مسائل کا سرچشمہ، منبع اور ماخذ دو قسم کے امور ہیں ایک وہ جو تمام ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک متفق علیہا ہیں اور وہ چار چیزیں ہیں (۱) کتاب اللہ العظیم (۲) سنت نبوی علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام (۳) اجماع امت (۴) قیاس ان چاروں پر تمام ائمہ کرام اور علماء فقہ کا اجماع ہے کہ یہ شریعت مطہرہ کے جملہ احکام و مسائل کی بنیادیں ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو ان کے علاوہ ہیں اگرچہ یہ اصول بھی نورِ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے منور ہیں اور ان ہی کے فیضان سے مستفیض ہیں لیکن وہ اصول ایسے ہیں جن کو احکام شریعت و مسائل فقہیہ کی بنیاد تسلیم کرنے اور حجت شرعیہ اور قابلِ استدلال ماننے میں علماء فقہ باہم اختلاف رائے رکھتے ہیں نیز ان کے مفہوم کی تحدید و تعریف اور ان کے دائرہ عمل کی توسیع میں بھی اختلاف ہے ایسے اصولوں کو فقہ کی اصلاح میں "استدلال" سے موسوم کیا جاتا ہے ان کی تعداد پانچ ہے (۱) استحسان (۲) مصالح مرسلہ (۳) استصحاب (۴) سابقہ شرائع (۵) صحابی کا مسلک تفصیلات کیلئے اصول فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

ہمارے ائمہ ذوی الاحترام مجتہدین عظام اور ماہرین علم فقہ علیہم الرحمۃ و الرضوان نے مذکورہ بالا تمام ہی بنیادی اصولوں کی روشنی میں ان کو منبع و ماخذ بنا کر مسائل فقہ و احکام شریعت کا استخراج کیا فقہ کی کتابیں اور فتاویٰ مرتب فرمائے جن میں بے شمار احکام مسائل اور جزئیات فقہیہ کو بیان فرمایا جن سے آنے والی نسلیں مستفید ہوئیں اور ہوتی رہیں گی تاہم وہ اپنی مدۃ العمر کوششوں کے باوجود تمام جزئیات کا احاطہ نہ کر سکے بے شمار مسائل ایسے ابھر کر آئے جن سے متعلق صریح حکم ان کتابوں میں نہیں ملتا اور قیامت تک نت نئے مسائل پیدا ہوتے ہی رہیں گے اسلام چونکہ ایک مکمل مذہب ہے اور قرآن کا یہ نہایت سچا دعویٰ ہے کہ وہ " تبیاناً لکلِّ شیءٍ " ہے اسی لئے یہ علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نئے ابھرنے والے مسئلہ کا حکم قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اُن سے ماخوذ منابع و مآخذ سے بیان کریں۔ بلاشبہ ہمارے عظیم علماء کرام نے ان نومولود مسائل کے احکام شرعیہ معلوم کرنے کیلئے بھی نیک کوششیں فرمائیں اور مذکورہ بالا منابع و مآخذ کے سایہ میں فقہ کے کچھ ایسے قواعد و ضوابط اور اصول کلیہ مرتب فرما دیئے جن کے ذریعہ سے ہر دور اور ہر زمانے کے مفتیان کرام (بشرطیکہ وہ فقہ میں مہارت و کمال رکھتے ہوں) ہر نومولود مسئلہ کا حکم شرعی بیان کر سکیں! الحمد للہ کہ ہمارے علمائے فقہ کی یہ عظیم کوشش قرآن کریم کے اس دعویٰ کی کہ وہ تبیاناً لکل شیءٍ ہے ایک مستحکم دلیل اور حجت قاطعہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی ارواحِ طیبات پر اپنی رحمت و نور کی بارش برسائے آمین بے شک امتِ مسلمہ

ان کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتی صرف اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس مختصر میں یہ فقیر فقہ کے اُن ہی قواعد و ضوابط اور اصول کلیہ میں سے کچھ کو بیان کر رہا ہے جو ہمارے فقہائے کرام نے نومولود مسائل کے احکام شرعیہ کے معلوم کرنے کیلئے بیان فرمائے ہیں اُمید کہ دورِ حاضر اور بعد میں آنے والے مفتیانِ کرام اور علماء فقہ کیلئے بیان احکام میں یہ معاون و مددگار ثابت ہوں گے یہ سب کچھ اس ناچیز نے اپنے اساتذہ اور اپنے علماء کرام کی کتابوں سے حاصل کئے ہیں ان میں جو صحیح ہیں وہ اُن کی طرف سے ہیں اور اگر ان میں کوئی نقص یا غلطی ہے تو وہ یقیناً اس فقیر کی ہے اصحاب علم تصحیح فرما دیں اور اس خطاکار کو معاف فرما دیں۔ اسی کے ساتھ یہ بندۂ ناچیز تمام پڑھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں سے امید رکھتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ وہ ضرور ہی اسے پڑھ کر رب کریم و غفور کی بارگاہ میں میرے لئے دعائے حسنِ عاقبت کریں گے اور میرے لئے بے حساب مغفرت کی دعا فرمائیں گے۔

ذیل میں ان قواعد فقہیہ اور اصولِ کلیہ کو بیان کیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے ہر اس نومولود مسئلہ کا حکم شرعی معلوم کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر نہ کتب فقہیہ میں ہے نہ اس پر کوئی نص شرعی ہے نہ اس پر کوئی استدلال شرعی ہے جن مسائل کا حکم کتب فقہ میں بیان کر دیا گیا یا ان سے متعلق کوئی نص شرعی موجود ہے یا اس پر استدلال شرعی موجود ہے ان مسائل کا حکم وہی ہے جو ان کتابوں میں ہے ان قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ کو وہاں استعمال نہیں کیا جائے گا۔ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر استدلال کو نظر انداز کر کے ان قواعد فقہیہ سے حکم بیان کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اس کی اتباع نفس اور جہالت ہوگی العیاذ باللہ تعالیٰ۔

قاعدہ ۱۔ لا ثواب الا بالنیۃ

یہ قاعدہ حدیث "الاعمال بالنیّات" سے ماخوذ ہے مطلب یہ کہ ثواب اُخروی کا مدار اخلاص نیت پر ہے۔ یہ قاعدہ فقہیہ تمام اعمال و افعال پر حاوی ہے۔ عبادت خواہ مقصودہ ہو یا غیر مقصودہ اگر ان کا فاعل اخلاص نیت نہیں رکھتا تو وہ ماجور و مثاب

نہ ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "الاعمال بالنیات" یعنی اعمال کا حکم نیت پر موقوف ہے تمام عبادات مقصودہ کی صحت ادائیگی نیت پر موقوف ہے جیسے نماز، روزہ، زکواۃ اور حج میں اگر نیت نہیں کرے گا تو ان میں سے کوئی عبادت صحیح ادا نہ ہوگی اور جب عبادات صحیح ادا نہ ہوئی تو ثواب اخروی کیسے مرتب ہوگا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اپنے تمام اقسام کے ساتھ عبادات مقصودہ میں داخل ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی بھی بغیر نیت کئے صحیح ادا نہ ہونگے وضو اگرچہ نماز کیلئے فرض اور شرط ہے مگر یہ عبادت غیر مقصودہ ہے اس لئے یہ نیت کے بغیر بھی صحیح ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص بغیر نیت کئے ہوئے وضو کرے گا وہ مستحق ثواب نہیں ہے اسی طرح وہ اپنے کسی عمل میں بھی بغیر نیت کے ثواب کا مستحق نہ ہوگا۔ فقہ کا یہ قاعدہ بے شمار مسائل کا حل ہے اور انسان کے مذہبی، معاشرتی اعمال کی فلاح و بہبود اور بہت سے علوم کے اباحت حصول کی بنیاد اسی پر ہے اور مباح میں بہت سی چیزوں کا جواز یا عدم جواز یا ثواب یا عدم ثواب اسی سے متعلق ہے۔

قاعدہ ۲ الامور بمقاصدھا۔

"یعنی اعمال اور معاملات کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے" یعنی کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے، حلال یا حرام ہونے یا کسی عمل پر اجر یا سزا ملنے کا دارومدار اس کے مقصد اور نیت پر ہے جیسے کسی نے ناراض ہو کر اپنے مسلمان بھائی سے ترک سلام و کلام کیا اگر بلا سبب شرعی اُس نے تین دن سے زیادہ اس عمل کو جاری رکھا تو حرام ہے کیونکہ حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ ترک سلام و کلام کی ممانعت ہے اور اگر سبب شرعی کی وجہ سے تین دن سے زیادہ بھی ترک سلام و کلام کیا کہ وہ بدکار، یا شرابی یا تارک الصلوٰۃ ہے تو جائز ہے۔ اسی طرح شیرے کی بیع جائز ہے لیکن اگر بائع نے شیرہ شراب بنانے والے کو اس مقصد سے فروخت کیا کہ وہ شراب بنائے تو اس بیع پر وہ گناہ گار ہوگا اور اس کا یہ فعل حرام ہے اور ناجائز ورنہ نہیں۔ کوئی پڑی ہوئی چیز ملی اگر اس مقصد سے اٹھائی کہ مالک کو پہنچا دے گا تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ سکہ پر اسم جلالت نقش کرایا اگر بقصد علامت ہے تو جائز اگر بقصد تھاون و اہانت ہے تو ناجائز

حرام بلکہ کفر۔ نماز کی کوئی آیت تلاوت کی جو کسی سائل کا جواب بھی ہو سکتی ہے اگر اس سے مقصد جواب دینا ہے تو یہ فعل حرام اور نماز فاسد ورنہ نہیں۔ دراصل یہ دونوں قاعدے تقریباً ہم معنی ہیں اور بے شمار مسائل اُن سے مستخرج ہیں۔

قاعدہ ۳ الیقین لایزول بالشک ۳۴

یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ اُس حدیث مبارک سے ماخوذ ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اِذَا وَجَدَ فِیْ بطنہ شَیْئًا فَاَشْکَلَ عَلَیْہِ اَخَرَجَ شَیٔ اَمْ لَا فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ المسجد حتی یسمع صوتًا او ریحًا ہ یعنی جب کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور یہ یقین مشکل ہو جائے کہ اس میں سے کچھ نکلا یا نہیں (یعنی ریح وغیرہ خارج ہوئی یا نہیں) تو اس وقت تک مسجد سے باہر نہ آئے جب تک وہ ریح خارج ہونے کو محسوس نہ کرے یا اُس کی آواز نہ سن لے۔ جیسے کسی شخص کو اپنے باوضو ہونے کا یقین ہو اور وضو ٹوٹنے میں شک ہے تو وہ باوضو مانا جائے گا اور جیسے کسی شخص کے زندہ ہونے کا یقین ہے اور مرنے میں شک ہو تو اسے زندہ ہی مانا جائے گا اور اس کی وراثت تقسیم نہ کی جائے گی۔ اس قاعدہ کے ماتحت اور بھی احکام شرعیہ ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴: "الاصل براءۃ الذمۃ"

اصل یہ ہے کہ ہر شخص بری الذمہ ہے جب تک اُس پر کوئی حق یا دعویٰ ثابت نہ ہو جیسے مدعی کا دعویٰ ہے کہ اس پر میرا قرض ہے اور مدعی علیہ کہتا ہے کہ مجھ پر کوئی قرض نہیں اور مدعی کے پاس کوئی دلیل اور شہادت بھی ثبوت قرض کیلئے نہیں ہے تو اس صورت میں مدعی علیہ کا قول تسلیم کیا جائے گا اور وہ بری الذمہ ہے کیونکہ بری الذمہ ہونا یعنی اس پر قرض نہ ہونا اصل ہے اسی لئے ثبوت اور دلیل ہمیشہ مدعی پر ہوتا ہے کیونکہ مدعی کا قول اور دعویٰ اصل کے خلاف ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۵ مَنْ شَکَّ ھَلْ فعل شیئًا اَمْ لَا فَالْاَصْلُ اَنَّہٗ لَمْ یَفْعَلْ

یعنی اگر کسی کو یہ شک ہو کہ اس نے یہ کام کیا یا نہیں کیا تو اصل یہ ہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا مثلاً یہ شک ہوا کہ میں نے اس وقت کی نماز پڑھی یا ابھی نہیں پڑھی تو اگر اس نماز کا وقت باقی ہے جس میں شک

رہا ہے تو نماز دوبارہ پڑھے اور اگر اُس نے شک کیا نماز کا وقت گذر جانے کے بعد تو اعادہ نہیں۔

قاعدہ نمبر ۶ من تیقّن الفعل وشک فی القلیل

والکثیر حمل علی القلیل

جیسے کسی کو عمل کرنے کا تو یقین ہے لیکن شک یہ ہے کہ وہ کام زیادہ کیا یا کم کیا تو اُس کا فعل کم پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ کم کا تو یقین ہے مثلاً یہ شک ہوا کہ نماز میں کتنی رکعتیں پڑھیں اگر پہلی بار ایسا ہوا ہے تو نماز از سرِ نو پڑھے اور اگر بکثرت ایسا ہوتا ہے تو تحری کرے ورنہ اقل رکعت قرار دے۔ یہ اس وقت ہے جب شبہ نماز کی حالت میں ہوا اگر نماز سے فراغت کے بعد یہ شبہ ہوا تو اس پر کچھ نہیں۔

قاعدہ نمبر ۷ ما ثبت بالیقین لا یرتفع الا بالیقین

یعنی جو چیز یقین سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف یقین ہی سے زائل ہو سکتی ہے جیسے کسی کو اپنے باوضو ہونے کا یقین ہے اور وضو ٹوٹ جانے کا شک ہے تو وہ باوضو ہی ہے محض شک سے باوضو ہونے کا یقین زائل نہیں ہو سکتا۔ کنواں پاک ہونے کا یقین ہے اور ناپاک ہونے کا شک ہے تو کنواں پاک ہی قرار دیا جائے گا۔

قاعدہ ۸ الاصل العدم فی الصفات العارضہ"

قاعدہ ۹ والاصل الوجود فی الصفات الاصلیۃ"

ان دونوں کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک غلام خریدا اس شرط پر کہ روٹی پکانا جانتا ہے یعنی خبّاز ہے یا وہ کتابت جانتا ہے پھر خریدار نے کہا کہ وہ خبّاز نہیں یا کاتب نہیں تو قول مشتری کا مانا جائے گا کیونکہ خبّاز اور کاتب ہونا صفاتِ عارضہ سے ہے اور اصل اس میں عدم ہے۔

دوسرے قاعدہ کی مثال یہ ہے کہ کسی نے باندی خریدی اس شرط پر کہ وہ باکرہ ہے (کنواری) پھر مشتری نے اس میں بکارت کا انکار کیا اور بائع کہتا ہے کہ باکرہ ہی ہے تو اس صورت میں بائع کا قول تسلیم کیا جائے گا کیونکہ بکارت صفاتِ اصلیہ سے ہے اور اصل اس میں وجود ہے۔ (فتح القدیر باب خیار الشرط)

قاعدہ ۱۰ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

یعنی ہر چیز اصل میں مباح و جائز ہے" یہ اصل حضرت امام شافعی اور احناف میں جمہور کے نزدیک ہے متاخرین احناف نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان بھی اس کو سند لائے ہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا اللہ ہی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین ہے پیدا فرمایا۔ لہٰذا ہر چیز مباح اور جائز ہے جب تک اس کے عدم جواز یا تحریم پر کوئی دوسرا حکم نہ ہو صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حدیث شریف میں ہے الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فہو معفو" حلال وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حلال فرما دیا اور حرام وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حرام فرما دیا اور جن چیزوں سے سکوت اختیار فرمایا وہ معاف ہیں اور مباح" لہٰذا ہر وہ چیز جس سے اللہ عزوجل نے سکوت اختیار فرمایا وہ جائز و مباح ہے۔ اگر اسے کوئی شخص ناجائز یا حرام یا گناہ کہے اس پر لازم ہے کہ وہ دلیل شرعی لائے کیونکہ مسکوت عنہا (جس سے سکوت کیا گیا) کو مباح و جائز کہنے کیلئے یہ حدیث ہی کافی ہے قرآن پاک کی ایک آیت اس مفہوم کو ثابت کرنے والی اوپر بیان ہو چکی ہے۔ دوسری آیت جس سے یہ مفہوم اور زیادہ وضاحت سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے" یایها الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم" اے ایمان والو تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو (جن کا حکم نازل نہیں کیا گیا ہے) کہ اگر ان کا حکم ظاہر کر دیا جائے تو تمہیں تکلیف پہنچے" اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرعی احکام میں کثرت سوال سے منع فرمایا کہ اس سے شریعت کے احکام کے سخت ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا وہ عفو میں داخل ہیں اگر ان کی ممانعت یا فرضیت کا حکم نازل ہو گیا تو تمہیں تکلیف پہنچے گی لہٰذا جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا وہ آیت مذکورہ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا کی رو سے جائز و مباح ہیں وتلک حدود اللہ فلا تعتدوها" اور یہ اللہ عزوجل کی بیان کردہ حدود ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو لہٰذا جو ان مسکوت عنہا کو ناجائز یا حرام یا بدعت سیئہ یا فرض یا واجب

کہ وہ قرآن یا حدیث یا قواعد فقہیہ سے دلیل لائے ورنہ یہ اللہ عزوجل کی بیان کردہ حدود سے آگے بڑھنا ہے اور اللہ عزوجل اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شریعت کاملہ پر افتراء ہوگا جس کی قرآن میں شدید مذمت آئی ہے اور سخت ممانعت و تہدید کی گئی ہے لہٰذا میت کو ایصال ثواب کیلئے تعین وقت کے ساتھ قرآن خوانی یا سوا لاکھ بار کلمہ شریف پڑھنا یا پڑھوانا فاتحہ و درود، انعقادِ محافل میلاد شریف اور صلوٰۃ وسلام اور بیعت وارادت وغیرھا کے عدم جواز و بدعت کے قائلین کو قرآن یا احادیث یا اقوالِ صحابہ یا اقل درجہ میں قواعد فقہیہ سے ان کے عدم جواز پر دلیل لانا چاہیئے بلا دلیل شرعی ان کے عدم جواز کا قول اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ امر بھی ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول و فعل اور صحابہ کرام کا قول و فعل تو حجت شرعیہ ہے مگر ان کا عدم قول اور عدم فعل عدم جواز کیلئے حجت شرعیہ نہیں وہ اسی قاعدہ کے مطابق جائز و مباح ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" بلکہ امر مباح بہ نیت خیر باعث اجر و ثواب ہے اور مستحسن کہ الاعمال بالنیات حدیث صحیح ہے بلکہ وہ تمام امور مباح جن سے دین کی ترقی یا تعلیمات اسلام کی اشاعت اور شریعت کا تحفظ ہوتا ہے سب مستحسن ہیں۔

قاعدہ ۱۱ الاصل اضافۃ الحادثات الی اقرب اوقاتھا

اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر واقعہ کو اس کے قریب تر وقت کی طرف منسوب کیا جائے جیسے کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنے مرض الموت میں طلاق دی ہے اور دیگر ورثہ کہتے ہیں کہ حالتِ صحت میں طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں عورت کا قول مانا جائے گا کیونکہ اس کا قول اقرب کی طرف منسوب ہے اور وہ متوفی شوہر کی وارث ہوگی۔

قاعدہ ۱۲ "المشقۃ تجلب التیسیر" ۵۶۴

یعنی مشقت آسانی لاتی ہے اس قاعدہ کا ماخذ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر "اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا" دوسری جگہ فرماتا ہے ما جعل اللہ علیکم فی الدین من حرج "اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں تنگی اور حرج نہیں رکھا" اس لئے شریعت نے

مسائل کثیرہ میں مسلمانوں کیلئے آسانیاں فراہم کی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لولا ان اشق علی امتی لاوجبت المسواک" اگر میں اپنی امت پر مسواک کرنے کی پابندی باعثِ مشقت نہ جانتا تو میں مسواک کرنے کو واجب کر دیتا۔ جب حج فرض ہونے کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے تو ایک صحابی حضرت عکاشہ بن محصن یا سراقہ بن مالک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہر سال" یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرا فرمایا خدا کی قسم اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح نماز تہجد صرف آپ پر واجب تھی امت پر واجب نہیں ہے۔ روزہ بھی سال میں ایک ہی ماہ کا فرض کیا گیا۔

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول رحمت ﷺ مسلمانوں کو آسانیاں عطا فرماتے ہیں۔ اسی کی روشنی میں فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ مشقت آسانیاں لاتی ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں عبادات وغیرھا میں سات قسم کے اسباب تخفیف بیان فرمائے ہیں لیکن صاحب نور الانوار نے اس کی دو قسمیں کی ہیں اور اٹھارہ اسباب بیان فرمائے ہیں جو بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

(۱) سفر:۔ سفر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ اتنا طویل فاصلہ طے کیا جائے جو درمیانی رفتار انسانی سے تین دن تین رات میں طے ہو اس کو سفر طویل کہتے ہیں اور اس کی تخفیفات مختصر یہ ہیں کہ اتنا طویل سفر کرنے والا مسافر نماز قصر ادا کرے گا اسے روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے اور موزوں پر تین دن اور تین رات مسح کر سکتا ہے۔ دوران سفر اس پر قربانی واجب نہیں وغیرہ وغیرہ۔ دوسری قسم سفر کی یہ ہے کہ اتنا طویل نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے شہر سے باہر نکل جائے خواہ چند میل باہر ہی ہو اس کو شریعت کی طرف سے جو تخفیف و تیسیر دی گئی ہے وہ یہ ہیں کہ وہ جمعہ چھوڑ سکتا ہے اس پر نماز باجماعت موکدہ نہیں اور وہ سواری پر نفل نماز ادا کر سکتا ہے اور پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے وغیرھا۔

(۲) اسباب تخفیف میں سے دوسری قسم مرض ہے اس کی شرعی رخصت اور تخفیفات بھی بہت زیادہ ہیں اگر بیماری بڑھ جائے یا جان کا اندیشہ ہو تو غسل اور وضو کے بجائے تیمم کر سکتا ہے۔ اگر کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر نماز ادا

کرنے کی اجازت ہے۔ نماز جماعت میں شریک ہونے کی اجازت ہے اسی طرح جمعہ وعیدین میں نہیں جاسکتا تو اجازت ہے کوئی گناہ نہیں۔ رمضان کے روزے بھی قضا کرنے کی اجازت ہے۔ وغیرہا۔

(۳) تخفیف کا تیسرا سبب اکراہ ہے نمبر (۴) نسیان نمبر (۵) جہالت نمبر (۶) نقص اور نمبر (۷) عسر اور عموم بلویٰ عسر اور عموم بلویٰ پر بھی شریعت کے بہت سے مسائل و احکام متفرع ہیں عسر کا مطلب ہے تنگی اور دشواری اور عموم بلویٰ کا مطلب ہے ایسا ابتلاءِ عام جس سے بچنا دشوار اور مشکل ہو جیسے اُس کپڑے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے جس پر چوتھائی کپڑے سے کم میں نجاستِ خفیفہ لگی ہو یا بقدر درہم نجاست غلیظہ لگی ہو، یا جیسے معذور کے جسم سے برابر نجاست خارج ہو رہی ہے جب بھی وہ کپڑا دھولے نجاست نکل کر پھر لگ جائے اُسے اس کپڑے میں نماز کی اجازت ہے، وہ نجاست جس کا زائل ہونا دشوار ہو یا وہ زائل نہ ہوسکے وہ بھی عفو میں داخل ہے جیسے کپڑے پر نجس پختہ رنگ ہو یا نجس مہندی ہاتھوں پر لگائی اب دھونے سے اس نجاست کا اثر زائل نہیں ہوتا اس حالت میں اس کا حکم پاکی کا ہے اور نماز اس سے جائز ہے، اونٹ کی مینگنی اگر دودھ میں پڑ جائے اور پھوٹنے سے قبل فوراً ہی نکال لی جائے وہ دودھ نجس نہیں۔ کپڑے کو نجس بخارات لگے تو صحیح یہ ہے کہ کپڑا نجس نہیں (۵۱) مشک حالانکہ وہ خون ہے مگر اس کے پاک ہونے کا حکم ہے۔ پاک مٹی ناپاک پانی میں یا ناپاک مٹی پاک پانی میں ملا کر گارا بنایا جائے تو اس کے پاک ہونے کا حکم ہے۔ بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بلا وضو قرآن کو چھونا جائز ہے۔ میت کو غسل دینے والے پر اگر میت کے غسالہ (غسل کا پانی) کی چھینٹیں آجائیں تو نجاست کا حکم نہیں۔ راستہ کی کیچڑ اگر کپڑے یا پیر پر لگے تو کپڑا یا پیر نجس نہیں۔ شریعت نے مکلف و مامور سے عسر دفع کرنے کے لئے یہ سہولت دی کہ شہر سے باہر نفل سواری پر اشارے سے پڑھ سکتا ہے اور نوافل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے بلا کسی عذر کے۔ اور ظہر کی نماز کے لئے ابراد (وقت کو ٹھنڈا کرنا) مستحب قرار دیا اور جمعہ اور جماعت کو بارش کی وجہ سے ترک کرنے کو جائز قرار دیا۔

پتھر سے استنجا مشروع فرمایا حالانکہ پتھر مزیل نجاست نہیں۔ وصی اور ولی کیلئے یہ جائز قرار دیا کہ وہ مال یتیم سے اتنا لے لیں جو ان کے عمل کے بقدر معاوضہ ہو۔ طبیب اور شاہد (گواہ) کو بوقت ضرورت مستور اعضاء یا شکل و صورت پردہ دار کی دیکھنا جائز ہے اس طرح دایہ کے لئے عورت کے

اندامِ نہانی میں نگاہ کرنا جائز ہے۔ بوقت موت مرنے والے کو وصیت کرنا جائز رکھا تاکہ وہ تلافی مافات کرسکے اور ورثاء کو ضرر سے بچانے کیلئے ثلث مال سے زائد میں وصیت کو جائز و نافذ نہ فرمایا۔ اور شریعت نے ترکہ پر میت کی ملکیت اس وقت تک باقی رکھی جب تک میت کے مرہون و وصیت اور تجہیز و تکفین و حوائج ضروریہ پورے نہ کر دیئے جائیں۔ اور مجتہدین سے خطا پر گناہ نہیں رکھا ان کے لئے ظن غالب پر اکتفا جائز رکھا اور اخذ بالیقین کی تکلیف نہ دی کیونکہ کسی اجتہاد میں یقینِ کامل حاصل کرنا سخت دشوار ہے۔ مذکورہ تمام مسائل دفع عسر اور عموم بلویٰ سے تعلق رکھتے ہیں ہم نے ان کی معدودے چند مثالیں دی ہیں حالانکہ ان کے مسائل سے ابواب فقہ بھرے پڑے ہیں جو تفصیلات معلوم کرنا چاہے ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

نقص:۔ اسباب تیسیر میں سے یہ بھی ایک سبب ہے جیسے صبی و مجنوں کو تکلیفات شرعیہ سے مکلف نہیں کیا گیا جب تک وہ اس حالت میں رہیں اُن کا معاملہ ان کے ولی کے سپرد کیا گیا اور عورتوں کو نماز با جماعت، نماز جمعہ وعیدین اور جہاد کی تکلیف نہیں دی گئی وغیرہا [۱۵۵]

صاحب نورالانوار علیہ الرحمہ نے اسباب تخفیف و تیسیر کو مبحث اہلیہ کے زیر عنوان بیان فرمایا ہے انھوں نے ان اسباب کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اولاً ان کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا (۱) اسباب تخفیف عوارض سماویہ کی وجہ سے (۲) اسباب تخفیف عوارض مکتسبہ کی وجہ سے۔ عوارض سماویہ کی وجہ سے جن اسباب پر شریعت نے جو آسانیاں دی ہیں وہ اسباب یہ ہیں۔

۱۔ صغر:۔ عبادات، حدود اور کفارات صغر پر واجب نہیں لیکن فرضیت ایمان ساقط نہیں۔ [۲۸۶]

۲۔ جنون:۔ جنون ممتد میں صاحب جنون پر عبادات فرض نہیں، اسکی طلاق بھی نافذ نہیں ہے [۲۸۰]

۳۔ عتہ:۔ یعنی دماغی خلل کبھی عقل کی بات کرے اور کبھی پاگلوں کی سی اس کی طلاق نافذ نہیں اس پر عبادات اور عقوبات بھی نہیں ہیں۔

۴۔ نسیان:۔ ناسی کو روزہ میں بھول کر کھا لینا، ذبح کے وقت تسمیہ پڑھنا بھول جانا اور بھول کر دوسری رکعت پر سلام پھیر دینا معافی میں ہے۔

۵۔ نوم:۔ نائم کی طلاق اور اس کا ارتداد نافذ نہیں اور نماز میں نائم کا کلام کرنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں نہ اس کا نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے۔

۶۔ اغماء:۔ یہ از قسم بیہوشی ایک مرض ہے جس میں انسان کی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اُس میں عقل وتمیز اور شعور نہیں رہتا اس حالت میں اس کی طلاق نافذ نہیں نہ اس سے کلمۂ کفر صادر ہو جانے سے ارتداد کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اغماء چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ دیر تک رہے تو اس سے نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں یعنی جن اوقات میں وہ اغماء میں رہا اُن اوقات کی نمازیں ساقط ہونگی۔

۷۔ رِق:۔ یعنی غلامی غلام کے تصرفات نافذ نہیں، اس پر حج فرض نہیں شریعت نے اس کو اور بھی تخفیفات دی ہیں جو فقہ کی کتابوں میں ہیں۔

۸۔ مرض:۔ مریض حالت مرض وضعف میں بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے، روزہ اور حج مؤخر کر سکتا ہے وغیرہ۔

۹۔ حیض:۔ اس حالت میں عورتوں کو نمازیں معاف ہیں اور روزہ مؤخر کریں گی وغیرہ (حیض کا مطلب ہے ماہواری کا خون)

۱۰۔ نفاس:۔ یہ وہ خون ہے جو بچہ کی ولادت کے بعد عورتوں کے جسم سے جاری ہوتا ہے۔ اس عرصہ کی نمازیں اُن عورتوں سے معاف ہیں اور وہ روزہ مؤخر کریں گی۔ دوران حج اگر ایسی حالت ہوئی تو دونوں حالتوں میں طواف زیارت مؤخر کریں گی۔

۱۱۔ موت:۔ اگر کسی پر حج فرض ہوا لیکن ابھی حج کا وقت نہیں آیا تھا کہ موت واقع ہو گئی تو اس پر حج ادا نہ کرنے کا گناہ نہیں یا حج کا زمانہ بھی آگیا اور اس نے سفر حج کی تیاری بھی کر لی تھی کہ موت آگئی تو حج نہ کرنے کا گناہ نہیں ہاں ان دونوں صورتوں میں اگر حج بدل کی وصیت کرے تو بہتر ہے اسی طرح بقدر نصاب مال کا مالک ہو گیا اور وہ حوائج اصلیہ سے زائد بھی ہے لیکن سال گذرنے میں کچھ دن باقی تھے کہ انتقال ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا گناہ نہیں۔ ۲۹۷

اسباب تخفیف وتیسیر عوارض مکتسبہ کی وجہ سے۔ یہ سات ہیں۔

۱۔ جہل:۔ جہل کئی قسم کا ہوتا ہے جن میں بعض جہل تیسیر وتخفیف کے لئے عذر نہیں اور بعض جہل عذر مسموع ہیں۔ کافر کا جہل اس کے عدم ایمان کے لئے عذر مسموع نہیں ایسے ہی صاحب ہوی کا جہل صفات الٰہیہ اور احکام آخرت نہ ماننے میں عذر نہیں اور

امام حق کے خلاف بغاوت کرنے میں باغی کا جہل عذر مسموع نہیں جب کہ وہ دلیل فاسد کا سہارا لے کر بغاوت کر رہا ہو۔

وہ امور جن میں شرع نے جہل کو عذر مسموع تسلیم کیا ہے اور اس بنیاد پر تخفیف دیتی ہے یہ ہیں۔

(۱) جیسے وہ مسلمان جو دار الحرب میں ہے اور وہاں سے ہجرت کرنے سے معذور رہا وہ اپنے جہل کی وجہ سے اسلام کے احکام وعبادات پر عمل نہ کر سکے تو وہ گناہگار ہے نہ اس پر قضا واجب (۲) ایسے ہی وہ شخص جو دار الحرب میں مسلمان ہوا اور احکام اسلام پر اپنے جہل کی وجہ سے عمل نہ کر سکے تو اس پر گناہ نہیں (۳) حق شفعہ رکھنے والا متعلقہ جائیداد کی بیع سے جاہل رہا تو اس کا یہ جہل عذر ہے اُسے شفعہ حاصل رہے گا (۴) باندی اپنے آزاد ہونے یا صاحب خیار ہونے سے جاہل رہی تو اس کا جہل عذر مسموع ہے اُسے خیار حاصل رہے گا (۵) وہ صغیر وصغیرہ جن کا نکاح اُن کے باپ یا دادا کے علاوہ کسی نے اوسے کیا ہو۔۔۔۔ بالغ ہوتے ہی انھیں اسے جائز یا باطل کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر وہ بلوغ کے وقت اس نکاح سے جاہل رہے تو یہ جہل عذر مسموع ہے اُن کو اختیار حاصل رہے گا وغیرہا اس قسم کے صدہا مسائل ہیں ۳۰۱۔ ۳۰۰

۲۔ سُکر:۔ یعنی نشہ کی حالت۔ کسی حلال ومباح شے کے استعمال سے سکر ونشہ کی حالت پیدا ہو گئی یا جبر واکراہ کی وجہ سے نشہ آور چیز استعمال کی یا جان بچانے کیلئے شراب پی اور حالت سکر ہوئی تو ان صورتوں میں اُس کا حکم اغماء جیسا ہے یعنی جس طرح حالت اغماء میں اس کی طلاق وعتاق اور دیگر تصرفات نافذ نہیں ہوتے مذکورہ سکر کی حالت میں بھی اس کی طلاق وعتاق اور دیگر تصرفات نافذ نہ ہونگے لیکن اگر کوئی حرام وممنوع شے یا شراب بغیر عذر شرعی پی جیسے شراب پی اور نشہ ہوا تو اس کے تصرفات نافذ ہونگے اور اس کی طلاق وعتاق بیع وشراء اور اقرار کے الفاظ صحیح تسلیم کئے جائیں گے مگر ارتداد اور اقرار حدود میں اس کے الفاظ پر حکم ارتداد یا حکم نفاذ حدود نہ دیا جائے گا۔ ۳۰۱ ن

۳۔ ہزل:۔ ہزل کا مطلب یہ ہے کہ مذاق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے حقیقی یا مجازی معنی مقصود نہ ہوں بلکہ محض لہو ولعب اور تفریح میں استعمال کئے جائیں۔ ہازل یعنی مذاق میں بات کہنے والا الفاظ تو اپنے اختیار سے اور اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے

لیکن ان کے اصل مفہوم اور ان کے حکم شرعی سے واقف نہیں ہوتا ۲۰۳ ن ۔ امور غیر مالیہ جیسے طلاق وعتاق، یمین کفر اور ارتداد میں ہزل کے الفاظ نافذ ہوں گے اور بیع اجارہ اور اقرار میں میں بعض صورتوں میں نافذ ہوں گے اور بعض میں نہیں ۳۰۵ ن

۴ ۔ سفہ :- یعنی مقتضائے شرع یا مقتضائے عقل کے خلاف مال کو تبذیر سے ضائع کرنا (در مختار) سفیہ پر جملہ احکام شرع نافذ ہوں گے لیکن اسے مال خرچ کرنے سے روکا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک اُسے بیع، اجارہ، ہبہ اور دیگر تصرفات مالیہ جیسے صدقات و خیرات سے روکا جائے گا ۔ کیونکہ وہ اسراف وتبذیر کرے گا پھر مسلمانوں یا بیت المال پر بوجھ بنے گا ۔ ۳۰۸ ن

۵ ۔ سفر: شریعت کی مقررہ مسافت طے کرنیوالا مسافر چار رکعت والی نماز میں قصر کرے گا، روزہ مؤخر کرے گا، تین دن تین رات موزوں پر مسح کریگا اور سنن رواتب کو سواری پر اشارہ سے بھی ادا کرسکتا ہے ۔ قبلہ رو ہونا بھی اس کے لئے ضروری نہیں ۳۰۹ ن

۶ ۔ خطاء :- خطا کا مطلب ہے کوئی کام بلا ارادہ ہو جانا یا ارادہ کے خلاف ہو جانا ۔ لہٰذا اگر مجتہد سے اپنی تمام تر مخلصانہ کوشش کے بعد استخراج مسائل وحکم شرعی میں خطا ہوجائے تو وہ آثم وماخوذ نہیں بلکہ ایک گونہ اجر وثواب کا مستحق ہے ۔ قتل اگر خطاءً ہوا ہو تو اس پر حد یا قصاص نہیں، اسی طرح زفاف میں اگر خطاءً کسی اجنبی عورت سے وطی کرلی تو اس پر حد زنا نہیں لیکن خطا حقوق العباد میں عذر مسموع نہیں خاطی کی طلاق واقع ہوجائے گی ۔ ۳۱۰ ن

۷ ۔ اکراہ :- مکرہ کے لئے حالت اکراہ میں بعض صورتوں میں عمل فرض ہوتا ہے جیسے اپنی جان بچانے کے لئے مُردار کھانا اور شراب پی لینا اور بعض صورتوں میں اس پر عمل کرنا حرام جیسے زنا کرنا اور کسی بے گناہ کو قتل کرنا اور بعض صورتوں میں عمل مباح ہے جیسے روزہ توڑنا اور بعض صورتوں میں عمل کرنا رخصت ہے جیسے بہ کراہت قلب و بعدم رضا بادل ناخواستہ اپنی جان بچانے کی خاطر فقط زبان سے کلمۂ کفر ادا کردینا ۔ ۳۱۱ ن

تحقیقاتِ شرعیہ :- ۵۰۰ ۔ اسباب تخفیف وتیسیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ نے وہ تخفیفات اور سہولتیں بھی معین فرمادی ہیں جو ان اسباب میں سے کسی سبب تخفیف کے موجود ہونے کی صورت میں دی گئی ہیں یہ سہولتیں بھی سات قسم کی ہیں (۱) بوقت عذر شرعی اسقاط عبادت کی تخفیف وسہولت جیسے جنون واغماء ممتد کی صورت میں فرضیت نماز کا سقوط وغیرھا (۲) تخفیف تنقیص (کم کرنا) جیسے حالت سفر میں نماز قصر کرنا (۳) تخفیف ابدال جیسے وضو اور غسل کے بدلے میں تیمم اور نماز میں قیام کے بجائے قعود اور روزہ کے بدلے فدیہ وغیرھا (۴) تخفیف تقدیم جیسے حج کے موقع پر عرفات میں ظہر کی نماز سے ملا کر نماز عصر ادا کرنا اور زکوٰۃ وصدقۂ فطر کو پہلے ہی ادا کرنا (۵) تخفیف تاخیر جیسے حج کے دنوں میں مزدلفہ میں نماز مغرب کو موخر کرکے وقت عشاء میں پڑھنا اور مریض ومسافر کیلئے روزہ مؤخر کرنا اور کسی ڈوبنے والے کو بچانے کے لئے نماز موخر کردینا (۶) تخفیف ترخیص جیسے نجاست خفیفہ رُبع ثوب تک لگ جانے کی صورت میں یا نجاست غلیظہ بقدر ایک درہم لگی ہونے کی صورت میں نماز پڑھنے کی رخصت (۷) تخفیف تغییر جیسے بوقت جہاد دشمن کے خوف سے نماز کے نظم میں تغیر ۔ ۵۰

قاعدہ ۱۳ :- المشقۃ والحرج انما یعتبر فی موضع لا نص فیہ

یعنی مشقت اور حرج کا اعتبار اُس جگہ ہے جہاں نص شرعی موجود نہ ہو اگر کسی مسئلہ میں نص موجود ہے تو پھر اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا جیسے حرم کی گھاس اُکھاڑنا کہ اس پر نص موجود ہے کہ یہ جائز نہیں لہٰذا یہاں اس قاعدہ کا اعتبار نہیں ۔

قاعدہ ۱۴ :- الامر اذا ضاق اتسع واذا اتسع ضاق ۔

یعنی معاملہ جب تنگ ودشوار ہوجائے تو وسعت ملتی ہے اور جب وسیع ہو تو سخت کیا جاتا ہے بعض فقہاء نے ان دونوں قاعدوں کو ایک جملہ میں جمع کردیا ہے ۔ کل ما تجاوز عن حدہ انعکس الی ضدہ " ہر وہ چیز جو اپنی حد سے آگے بڑھ جائے اپنی ضد کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسے نماز کا وقت اگر زیادہ تنگ ہوجائے اس وقت وضو کی سنن تر

کی جا سکتی ہیں اور اگر وقت میں گنجائش ہے تو وضو میں زیادہ پانی بہانا یا وضو کے فرائض وسنن اور مستحبات پر اضافہ جائز نہیں"

قاعدہ ۱۵: "الضرر یزال" ۵۸

یعنی ضرر و نقصان کو دور کیا جائے۔ اس قاعدہ کی بنیاد یہ حدیث پاک ہے "لا ضرر ولا ضرار" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے بھائی کو نہ ابتداً ضرر پہنچائے نہ ضرر کے انتقام اور بدلہ میں انتہاً۔ اس قاعدہ پر بھی بہت سے مسائل فقہیہ کی بنیاد ہے۔ اس قاعدہ کے پیش نظر مشتری کو خیار عیب حاصل ہے کہ اگر اس کی خریدی ہوئی چیز میں عیب ہے تو اسے واپس کرنے کا اختیار ہے اور شریک اور پڑوسی کو اپنے سے دفع ضرر کیلئے حق شفعہ حاصل ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے وہ وقف جائز نہیں جس کا مقصد قرض خواہوں کو محروم کرنا ہو۔ کسی ایسی بلند جگہ پر چڑھنا جہاں سے دوسروں کی عورتوں کی بے پردگی ہو بہ آواز بلند اعلان کئے بغیر جائز نہیں۔

قاعدہ ۱۶ "الضرورات تبیح المحظورات"

یعنی ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں۔ اس قاعدہ کی اصل قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔ اس قاعدہ کے ماتحت حالت اضطرار سے بقدر ضرورت کچھ کھا لینا یا شراب کا گھونٹ پی لینا یا اکراہ کی حالت میں جان بچانے کے لئے بکراہت قلب کلمۂ کفر ادا کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح اس قاعدہ کے مطابق اگر کشتی میں اتنا سامان بھر دیا کہ اُسکے ڈوبنے کا خطرہ ہے اور اس میں مسافروں کی جان کا خطرہ ہے تو اس میں سے مال نکال کر سمندر میں پھینک دینا جائز ہے اور کشتی کو بچانا جائز ہے حالانکہ عام حالات میں دوسرے کا مال ضائع کرنا حرام ہے ۵۸

قاعدہ ۱۷ "ما ابیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا" ۵۸

یعنی جو چیز ضرورت کے تحت جائز ہے وہ صرف بقدر ضرورت ہی جائز ہے۔ مردار کھانا یا شراب پی لینا صرف اتنا ہی جائز ہے جس سے جان بچ جائے زیادہ بالکل نہیں،

اسی طرح طبیب کو بوقت ضرورت شرعی پردہ کی جگہ کا صرف وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جس کے دیکھنے کی ضرورت ہے زیادہ نہیں۔ اسی طرح دار الحرب میں بقدر ضرورت دشمن کے مال سے کھانا حاصل کیا جائے گا اور جانوروں کا چارہ، جلانے کے لئے لکڑی اور ہتھیار وغیرہ لینا جائز ہے جب کہ مالِ غنیمت کی ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو اور اگر ضرورت سے بچ رہا تو مالِ غنیمت میں واپس کر دیا جائے گا۔ (کنز)... ۵۹

قاعدہ ۱۸ "ما جاز بعذر بطل بزوالہ" ۵۹

یعنی جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز ہوئی تو اگر عذر زائل ہو جائے تو اس کا جواز بھی باطل ہو جائے گا" جیسے پانی کے استعمال کرنے پر قادر نہ تھا تو تیمم کرنا جائز ہے اور پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا تو تیمم باطل ہو جائے گا۔

قاعدہ:- الضرر لا یزال الضرر:- یعنی نقصان کو نقصان پہنچا کر زائل نہ کیا جائیگا۔ جیسے ایک شخص جو حالتِ اضطرار میں ہے دوسرے ایسے اشخاص کا کھانا نہیں کھا سکتا جو خود بھی حالتِ اضطرار میں ہے۔

قاعدہ ۱۹ - یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام ۵۹

یعنی ضرر خاص کو برداشت کر لیا جائے گا ضرر عام سے بچنے کے لئے جیسے اُن کافروں پر گولہ باری یا تیر اندازی کی جائے گی جو خود کو بچانے کے لئے مسلمانوں کے بچوں کو ڈھال بنا لیں۔ اسی طرح اُس بوسیدہ دیوار کو گرا دیا جائے گا جو راستہ کی طرف جھک گئی ہو اور جس کے گرنے سے راہگیروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اگرچہ اس کا مالک رضا مند نہ ہو۔ ایسے ہی نان فروش اگر روٹیوں کی قیمت زیادہ بڑھا دیں تو بھاؤ مقرر کیا جائے گا۔ اگر غلہ فروش قحط کے زمانے میں مہنگا بیچنے کے لئے غلہ سٹور کریں تو ان کا غلہ جبراً فروخت کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر باپ اولاد کا واجب الادا نفقہ نہ دے اور انھیں فاقہ کشی پر مجبور کرے تو باپ کو ان کے نفقہ کی ادائیگی کے لئے قید کیا جائے گا، غیر سنجیدہ و عدیم المثال مفتی کو اور جاہل طبیب کو فتویٰ دینے اور طبیب کو علاج کرنے سے روکنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے زمین غصب کر لی اور اُس پر عمارت بنالی یا پیڑ لگا دیے تو اگر زمین کی قیمت عمارت یا پیڑوں کی قیمت سے زیادہ

ہے تو عمارت گرادی جائے گی یا پیڑ اُکھڑوا دیئے جائیں ورنہ زمین غصب کرنے والا زمین کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا اُس سے مالک کو زمین کی قیمت دلوائی جائے گی۔ ۶۰

قاعدہ ۲۰ من ابتلی ببلیتین وھما متساویتان یاخذ بایتھما شاء وان اختلفتا یختار اھونھما" ۶۱

اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے اور دونوں برابر کی ہوں تو جس کو چاہے اختیار کرے کیونکہ حرام کا ارتکاب بدرجۂ مجبوری جائز کیا گیا ہے لہٰذا کم سے کم ہو اس لئے بڑی مصیبت کو ترک کر دے کہ اس میں بلا ضرورت زیادہ حرام کرنا پڑے گا، جیسے کسی کے جسم میں زخم ہے اگر وہ سجدہ کرتا ہے تو زخم بہنے لگتا ہے اور زخم بہے گا تو وضو ٹوٹے گا جسم ناپاک ہوگا اور سجدہ نہیں کرتا تو زخم نہیں بہتا اس صورت میں نماز کا سجدہ ترک کرنا پڑے گا تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور رکوع و سجدہ اشارہ سے ادا کرے کیونکہ سجدہ ترک کر دینا اس سے کمتر ہے اور آسان ہے کہ نماز حالتِ حدث اور نجس جسم کے ساتھ پڑھے۔ ایسے ہی اگر کوئی ضعیف و ناتواں بوڑھا ہے اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو قرات قرآن نہیں کر سکتا اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو قرات کر لیتا ہے وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور قیام ترک کر دے گا کیونکہ ترک قیام تو نوافل میں بھی جائز ہے مگر ترک قرأت قرآن جائز نہیں۔ ایسے ہی کوئی جان بلب فاقہ زدہ ہے اس کے پاس کھانے کے لئے مُردار ہے اور کسی دوسرے کا کھانا ہے تو اسے مالِ غیر حلال نہیں بقدرِ ضرورت مردار کھائے گا یہ اَھْوَن ہے۔ بعض فقہا کا قول ہے کہ مردار نہیں کھائے گا مال غیر کھائے گا ابن سماعہ و طحاوی اور امام کرخیؒ کا یہی قول ہے۔ ابن سماعہ فرماتے ہیں مالِ غیر کو غصب کرنا مُردار کھانے سے اَھْوَن ہے۔ ۶۱

قاعدہ ۲۱ "درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح" ۶۳

"یعنی خرابیوں کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے حصول منافع سے" پس جب مفاسد اور مصالح میں تضاد واقع ہو تو مصالح کو ترک کر کے مفاسد کو دور کیا جائے گا کیونکہ شریعت مطہرہ کی توجہ محرمات و ممنوعات و مفاسد کو دور کرنے میں زیادہ سخت ہے۔ بہ نسبت مامورات و مصالح کو بروئے کار لانے کے سیدالکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اذا امرتکم بشیءٍ فاتوا منہ

ما استطعتم و اذا نھیتکم عن شیءٍ فاجتنبوہ " یعنی جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حتی المقدور اُسے بجا لاؤ اور جب کسی شے میں سے منع کروں تو اُس سے دور رہو۔ صاحب الکشف نے یہ حدیث روایت کی ہے لترک ذرۃ مما نھی اللہ عنہ افضل من عبادۃ الثقلین " یعنی منہیات الٰہیہ میں سے ایک ذرہ سے بھی اجتناب کرنا اور بچنا جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔ فتاویٰ بزازیہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے " من لم یجد سترۃ ترک الاستنجاء ولو علی شط النھر" جسے سترہ نہ ملے (یعنی پردہ کرنے کی چیز) وہ استنجاء کو ترک کرے خواہ وہ نہر کے کنارے پر ہو۔ عورت پر غسل واجب ہو اور وہ مردوں سے پردہ کی جگہ نہ پائے تو غسل مؤخر کرے گی اور مرد پر اگر غسل واجب ہے اور اسے مردوں سے پردے کی جگہ نہ ملے تو غسل کو مؤخر نہ کرے گا کیسے بھی غسل کرے گا لیکن اگر مرد کو استنجاء کے لئے پردہ کی جگہ نہ ملے تو استنجا مؤخر کرے گا کہ غسل اور استنجا میں یہ فرق اس لئے ہے کہ نجاستِ حکمیہ نجاست ظاہری سے اقویٰ ہے۔ ایسے ہی اگرچہ وضو میں کلی کرنے اور ناک صاف کرنے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے لیکن بحالت روزہ یہ عمل مکروہ ہے مبادا پانی اندر پہنچ جائے اور روزہ کو توڑ دے۔ کبھی مصالح مفاسد پر بدرجہا غالب ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں مصالح کو اختیار کیا جائے جیسے دو متحارب گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے دروغ بیانی کرنا جائز ہے حالانکہ دروغ منہیات شرع سے ہے۔ ۶۳

قاعدہ ۲۲ "الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ" ۶۳

یعنی حاجت ضرورت کا مقام حاصل کر لیتی ہے اسی قاعدہ کے ماتحت اجارہ کا جواز ہے اگرچہ اجارہ جاری خلاف قیاس ہے مگر یہ ایک حاجت ہے جو ضرورت بن گیا ہے ایسے ہی بیع سلم کا جواز خلاف قیاس ہے کیونکہ یہ معدوم شے کی بیع ہے مگر غربا کی ضرورت پورا کرنے کے لئے اس کا جواز ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب حاجت شدید دائمی ہوئی تو بیع الوفاء کے جواز کا فتویٰ ہوا۔

قاعدہ ۲۳ العادۃ محکمۃ ۶۳

یعنی عادت حکم شرعی کی بنیاد ہے، مقصد یہ ہے کہ جو چیز عرف عادت کے لحاظ سے

درست ہو شریعت اسے جائز قرار دیتی ہے۔ یہ قاعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ "ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن" یعنی وہ چیز جس کو مسلمان (اہلِ علم و اہل تقویٰ) اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے، یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے بعض محدثین اسے مرفوع کہتے ہیں اور بعض اس کو موقوف کہتے ہیں۔

عرف وعادت کی تعریف: علامہ ابن عابدین علیہ الرحمۃ اپنی کتاب شرح عقود[۴۳] رسم المفتی المنظوم میں فرماتے ہیں قال فی المستصفیٰ العادۃ ما استقر فی النفوس من جھۃ العقول و تلقتہ الطباع بالقبول۔ وفی شرح التحریر "العادۃ ھی الامر المتکرر من غیر علاقۃ عقلیۃ" اور الاشباہ والنظائر میں علامہ زین الدین ابن نجیم الحنفی المصری فرماتے ہیں وذکر الامام الھندی فی شرح المغنی "العادۃ عبارۃ عما یستقر فی النفوس من الامور المتکررۃ المقبولۃ عند الطباع السلیمۃ"، ان سب کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ انسان دیکھے وہ انسان کسی کام کو بار بار کرتے کرتے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ بلا تکلف اس سے اس کام کا صدور ہونے لگے۔ وہ اگر قول ہے تو وہ بلا تکلف اسی معنی میں سمجھا جانے لگے جس میں وہ حقیقت کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ صاحب الاشباہ نے عرف وعادت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) العرفیۃ العامۃ (۲) والعرفیۃ الخاصۃ (۳) والعرفیۃ الشرعیۃ۔ ۶۴

عرف اور عادت کو فقہائے کرام نے بڑی اہمیت دی ہے فقہ کے کثیر مسائل کا حکم عرف وعادت پر مبنی ہے مبسوط میں ہے "جو چیز عادت اور عرف کے ذریعہ ثابت ہو جائے وہ ایسی ہے جیسے نص شرعی سے ثابت ہو" رد المحتار جلد پنجم میں جہاں نابالغوں کے سنِ بلوغ سے بحث کی گئی ہے اسی موقع پر فرمایا کہ "ان معاملات میں جہاں نص شرعی موجود نہ ہو عرف وعادت ہی شرعی حجت ہے۔

امام شہاب الدین القرافی فرماتے ہیں "احکام عرف اور عادت کے ساتھ ساتھ نافذ ہوتے رہتے ہیں۔

عادت کس چیز سے اور کس طرح ثابت ہوتی ہے۔ مختلف امور میں اس کے مختلف طریقے ہیں۔

۱۔ کبھی عادت ایک ہی دفعہ سے ثابت وتسلیم ہو جاتی ہے جیسے وہ لڑکی جسے پہلی بار

حیض آیا تو جتنے دن یہ رہے گا اتنے ہی دن اس کی عادت شمار ہوگی لیکن تربیت یافتہ شکاری کتے کی عادت اس وقت تسلیم ہوگی جب وہ مسلسل تین بار شکار کر کے اُسے نہ کھائے۔

۲۔ عرف وعادت کا اعتبار اس وقت ہے جب وہ عام ہو اور غالب ہو جب تک عام لوگوں میں اس کا رواج عام نہ ہو جائے اس کو حکم شرعی کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔

۳۔ عادت اور عرف جب عام رواج ہو جائیں تو کیا وہ شرط کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں فتاویٰ ظہیریہ بحث الاجارہ میں ہے "المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً"۔ بزازیہ میں ہے "المشروط عرفاً کالمشروط شرعاً"

۴۔ الفاظ کا مفہوم حقیقت کے خلاف عرف پر اس وقت محمول کیا جائے گا جب وہ عرف ایک زمانے سے چلا آرہا ہو۔ کسی نئے رواج و عرف پر الفاظ کو حقیقت کے خلاف محمول نہ کیا جائے گا اسی لئے کہ فقہاء فرماتے ہیں" لا عبرۃ بالعرف الطاری" نیز یہ کہ عرف کا اعتبار معاملات میں ہے تعلیق میں نہیں تعلیق میں وہ اپنے حقیقی معنی اور اصلی مفہوم میں لیا جائیگا۔ جیسے کسی ظالمہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہلوایا کہ میں اگر تیرے اوپر کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق: اس نے یہ کہدیا اور نیت یہ کی اگر میں تیرے اوپر یعنی تیرے کندھوں پر لاکر یہ بٹھا کر کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق، تو اسکی (یعنی شوہر کی) نیت کے مطابق عمل کیا جائیگا کیونکہ اس نے اپنے الفاظ سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں اور اس کی بیوی نے ظلماً اسے یہ قسم دلائی تھی اور مظلوم کی نیت اس کی قسم میں معتبر ہے۔ نیز اس کا یہ کلام از قسم تعلیق ہے اور تعلیق میں عرف کا اعتبار نہیں اسلئے اس کا کلام عرف پر محمول نہیں کیا جائیگا اور اگر وہ کسی عورت سے نکاح کریگا تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۵۔ عرف اور شرع میں جب تضاد ہوگا تو عرف استعمال مقدم رکھا جائے گا خصوصاً ایمان میں لہٰذا اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ فرش یا بساط پر نہیں بیٹھے گا یا یہ قسم کھائی کہ وہ سراج (چراغ) سے روشنی حاصل نہیں کریگا پھر وہ زمین پر بیٹھا یا سورج سے روشنی حاصل کی تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹے گی)، اگرچہ قرآن کریم میں زمین کو فراش اور بساط فرمایا گیا ہے اور سورج کو سراج فرمایا گیا ہے مگر یہاں اس کے عرفی معنی مراد لئے جائیں گے۔ اسی طرح اگر اس نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں

کھائے گا پھر اُس نے مچھلی کھائی تو حانث نہ ہو گا کیونکہ عرف میں گوشت کا استعمال مچھلی کے گوشت میں نہیں ہوتا۔ اگرچہ قرآن کریم نے مچھلی کیلئے لحماً طریاً کا لفظ استعمال کیا ہے اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں

۲۔ عرف اور لغوی معنی میں جب تضاد ہو گا تو عرف میں اگر شرائط معتبرہ پائی گئیں تو لفظ کو عرف پر محمول کیا جائے گا لغوی معنی پر نہیں۔ زیلعی وغیرہ نے یہ تصریح فرمائی ہے۔ اَنَّ الایمانَ مبنیۃ علی العرف لا علی الحقائق اللغویۃ۔ ایمان عرف پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ لغوی معنی پر" اس پر مسائل متفرعہ میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ روٹی نہیں کھائے گا تو وہ صرف اُس صورت میں حانث ہو گا جب وہ روٹی کھائے جو اُسکے شہر میں بالعموم کھائی جاتی ہے جیسے مغربی یوپی اور پنجاب میں گیہوں کی روٹی اور بقول صاحب الاشباہ والنظائر اُن کے زمانے میں قاہرہ میں گیہوں کی روٹی، طبرستان میں چاول کی روٹی، زبید میں باجرہ کی روٹی کھانے سے حانث ہو جائے گا اگر ان تمام علاقوں میں مروج روٹی کے علاوہ کسی اور چیز سے بنی ہوئی روٹی کھائی تو حانث نہ ہو گا۔

تنبیہ:۔ عرف و عادت پر شریعت کے بے شمار احکام و مسائل کا دارومدار ہے اور یہ تمام غیر منصوص علیہا مسائل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں لیکن عرف و عادت اور ایسے ہی عموم بلوی کو سمجھنے کے لئے بڑے وسیع مطالعہ اور دقتِ نظر کی ضرورت ہے مفتیان کرام کو ان تمام امور سے واقفیت رکھنا ضروری ہے ورنہ وہ مسئلہ کا حکم بیان کرنے میں اکثر و بیشتر غلطیوں کا شکار ہو سکتے ہیں فقہ کی کتابوں میں عرف اور اس سے متعلقہ مسائل پر سیر حاصل اور مفصل بحثیں کی گئی ہیں مفتی کے لئے ان کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

فقہائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں عرف و عادت کے مقابلہ میں کسی شے کے مفہوم کی وضاحت و تعین میں حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا۔ الاشباہ میں ہے۔ عادت و عرف وہی معتبر ہے جب اس کا استعمال عرف و عادت میں غالب ہو گیا ہو۔ اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں مختلف قسم کے درہم و دنانیر چل رہے ہوں (یعنی مختلف قسم کے سکے چل رہے ہوں) وہاں اگر کسی نے کوئی چیز دس درہم یا دس دینار میں خریدی یا فروخت کی تو بائع وہ درہم یا دینار لینے کا مستحق ہو گا جن کا غالب چلن وہاں کی عرف و عادت ہو۔ اگر خریدار

کوئی دوسرا سکہ یا دوسرے قسم کے درہم و دینار دینا چاہے تو بائع کو (بیچنے والے کو) انکار کا حق ہو گا۔ شرح سیری میں بہ حوالہ مبسوط بیان کیا گیا ہے۔ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے نص سے ثابت ہو" (رسائل عابدین)

فائدہ:۔ بہت سے وہ احکام جن پر صاحب مذہب مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف و عادت کی بنیاد پر نص قائم کی زمانہ اور حالات کے بدل جانے سے تبدیل ہو گئے ہیں اہل زمانہ میں فساد آجانے کی وجہ سے یا عموم ضرورت کی وجہ سے جیسے تعلیم القرآن کی اُجرت کا جواز اور ظاہری عدالت پر اکتفاء اور غیر سلطان سے اکراہ کا تحقق کیونکہ فقہائے متقدمین کے زمانے میں اکراہ صرف بادشاہ ہی سے متحقق ہو سکتا تھا۔ غیر سلطان سے اکراہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن بعض عوام الناس میں سے لوگ قتل و خونریزی پر اتنے جری ہو گئے کہ ان سے بھی اکراہ کا تحقق ہو گیا۔ فقہائے متقدمین ضمان مباشر پر واجب کرتے تھے، متسبب پر نہیں لیکن بعد میں ضمان متسبب پر عائد کیا گیا اس کی وجہ فساد اہل زمانہ اور حالات کا متغیر ہونا بیان کیا گیا۔ ایسے ہی وصی اب مالِ یتیم میں مضاربت نہیں کر سکتا اور وقف اور یتیم کی زمین کا غاصب ضمان دے گا اور مکانِ موقوفہ ایک سال سے زیادہ اور وقف زمین کو تین سال سے زیادہ مدت کیلئے اجارہ پر نہیں دیا جائیگا اور قاضی کو اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ دینے سے روکا جائے گا۔ اور شوہر کو روکا جائے گا اس سے کہ وہ اپنی بیوی کو سفر میں ساتھ لے جائے (جبکہ بیوی رضا مند نہ ہو) اگرچہ شوہر نے اس کا مہر معجل ادا کر دیا ہو (نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف مجموعہ رسائل عابدین وشرح عقود رسم المفتی)

عرف و عادت کی بنیاد پہ یہ حکم ہے کہ دخول کے بعد بیوی اگر یہ کہے کہ اُس نے قبل دخول اپنا مہر معجل وصول نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر شوہر نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی بشرطیکہ یہ جملہ اور الفاظ اُس علاقہ میں طلاق کیلئے استعمال کئے جاتے ہوں (یعنی وہاں کا عرف یہ ہو) ایسی صورت میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عرف و عادت میں ان الفاظ کا استعمال طلاق کیلئے نہیں ہے تو اس کی نیت کا اعتبار کر لیا جائے گا۔ اگر باپ یہ کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو جو سامانِ جہیز دیا میں نے اپنی بیٹی کو اس کی تملیک نہیں کی تو اس کا مدار عرف پر

ہے اگر اس علاقہ کا عُرف تملیک ہے ۔ تو جہیز کی ہر چیز بیٹی کی ملکیت قرار دی جائے گی ورنہ جیسا عرف ہو ویسا ہی حکم ہوگا ۔ غرض یہ اور اس قسم کے صدہا مسائل کے جواز یا عدم جواز کا مدار عرف پر وعادت ، فسادِ زمان ، عموم بلویٰ ، ضرورت اور قرائنِ احوال پر ہے ان میں سے کوئی حکم نہ مذہب سے خارج ہے نہ خلاف کیونکہ مجتہد اگر اس زمانہ میں حیات ہوتے تو بلا شُبہ یہی حکم شرعی بیان فرماتے رہا وہ نکتہ ہے جیسے مجتہدین فی المذاہب اور متاخرین میں سے صحیح دعوا پر نگاہ رکھنے والوں کو جرأت دلائی کہ وہ صاحب المذہب سے منقول کُتب ظاہر الروایہ میں منصوص مسائل سے اختلاف کریں ۔

عُرف وعادت اگر زمانے کے تغیر سے تبدیل ہو جائیں اور نیا عُرف وعادت بن جائے تو مفتیٔ زمانے کو نئے عرف وعادت کا لحاظ کرکے اس کے مطابق حکم شرعی بیان کرنا چاہیئے مگر اس کیلئے شرط یہ ہے کہ چونکہ متقدمین فقہانے مفتی کیلئے اجتہاد کی شرط رکھی تھی جواب مفقود ہو چکی ہے کیونکہ فی زمانہ کوئی فقیہ شرائطِ اجتہاد کو پورا نہیں کرتا اس لئے مجتہد مفتی تو اب معدوم ہو چکے ہیں پھر بھی عُرف وعادت کے مطابق فتویٰ دینے کے لئے کم سے کم یہ شرط رکھی گئی ہے کہ مفتی وقت مسائل کی معرفت ان کے شروط وقیود کے ساتھ رکھتا ہو نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عُرف سے کما حقہٗ واقف ہو اور اہل زمانے کے حالات سے بھی واقفیت رکھتا ہو اور کسی ماہر استاذ سے اُس نے مسائل کے استخراج کا طریقہ بھی سیکھا ہو ۔ سفینۃ المفتی اور قنیہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے (شرح عقود رسم المفتی المنظوم لابن عابدین)

؏ فائدہ :- قرینۂ حال بھی حکم شرعی کی بنیاد بن سکتا ہے اسکا ثبوت قرآن پاک کی یہ آیت ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (یعنی بے شک اس میں نشانیاں ہیں اہلِ فراست کیلئے (یعنی جو قرائن سے علم حاصل کرلیتے ہیں) دوسری آیت اُسکے ثبوت کی یہ ہے "وشھد شاھدٌ من اھلھا ان کان قمیصہٗ قُدّ من قبل فصدقت الآیہ یعنی "اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتا آگے سے چرا ہے تو عورت سچی ہے اور اُنھوں نے غلط کیا اور اگر ان کا کرتا (یعنی یوسف علیہ السلام کا) پیچھے سے چاک ہوا تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے ہیں " یہ گواہی قطعاً قرینۂ حال کی بنیاد پر تھی اور علاماتِ ظاہری سے علم حاصل کرکے گواہی دی گئی جو شرعاً قبول ہوئی اس لئے قرینۂ حال اور علامات ظاہر بھی حکمِ شرعی کی ایک بنیاد تسلیم کئے گئے ۔

قاعدہ ۲۴ "الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد"

یعنی ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے ساقط نہیں ہوتا یعنی ٹوٹتا نہیں ہے ۔ اس قاعدہ کی بنیاد صحابہ کرام کا عمل ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مسایل کے سلسلے میں حکم صادر فرمایا جس کی مخالفت سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی مگر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم اس سے نہ ساقط ہوا نہ کالعدم ۔ اسی طرح فدک کے بارے میں خلیفۂ اول کا حکم حضرت عباس حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہاد سے نہ ٹوٹا نہ ساقط ہوا ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ دیا اس نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتلائی ۔ آپنے فرمایا اگر میں فیصلہ کرتا تو تمہارے حق میں کرتا ۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اب کیا چیز مانع ہے کہ آپ فیصلہ دیں ۔ آپنے فرمایا چونکہ اس معاملہ میں کوئی نص شرعی ہے نہیں لہٰذا رائے اور اجتہاد دونوں برابر ہیں ۔ اس قاعدہ پر جو مسائل متفرع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ سمتِ قبلہ کے بارے میں کسی نے اجتہاد تحری کرکے اُس طرف نماز شروع کی ۔ درمیان میں اُس کی رائے و اجتہاد بدل گیا اُس نے رُخ دوسری طرف کر لیا اسی طرح اُس نے اگر چار رکعتیں چار سمت کی طرف رُخ کرکے پڑھیں تو نماز درست اُس کی قضا نہیں دوسرے اجتہاد نے پہلے اجتہاد کو کالعدم و ساقط نہیں کیا اس لئے ہر رکعت صحیح ادا ہوئی اور وہ نماز قضا نہیں کرے گا ۔ اگر قاضی نے کسی فاسق کی شہادت کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے رد کر دیا پھر اُس نے اپنے فسق سے توبہ کرکے اس شہادت کو دوبارہ دیا تو قبول نہیں کی جائے گی ۔ وغیرھا (الاشباہ ص۱۳۸)

قاعدہ :- ؏۲۵ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام"

یعنی حلال اور حرام جب جمع ہوں گے تو غلبہ حرام کو ہوگا ۔ اس قاعدہ کے ماتحت اگر کتے اور بکری کے اختلاط سے بکری کے بچہ ہوا تو وہ حرام ہے اور سکھایا ہوا کتا جب بسم اللہ پڑھ کر شکار پہ چھوڑا گیا پھر اس کے ساتھ کلب غیر معلم (یعنی غیر تربیت یافتہ کتا) شریک ہو گیا یا وہ کتا شریک ہو گیا جس کو بسم اللہ پڑھ کر نہ چھوڑا تھا تو وہ شکار حرام ہے (اگر وہ ذبح سے قبل مر گیا) شکار

پر یا تیر چلایا۔ وہ پانی میں گرا یا چھت پر گرا پھر چھت سے زمین پر گرا تو وہ شکار حرام ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ پانی کی وجہ سے یا زمین پر گرنے کی وجہ سے مرا ہو [۸۰]۔ ایسے ہی اگر پالتو بکرا ہرنی سے ملا اور ہرنی سے بچہ ہوا تو اس کی قربانی جائز نہیں [۸۱]۔ مسلم نے شکار پر تیر چلایا اور مجوسی یا مشرک نے مسلم کے ہاتھ کو تیر چلانے میں مدد دی تو وہ شکار حرام ہے [۸۲]۔ اگر درخت کا ایک حصہ حرم میں ہے اور ایک حصہ حل میں ہے تو اس درخت کو کاٹنا جائز نہیں۔ اسی قاعدہ میں یہ قاعدہ بھی شامل ہے "اذا تعارض المانع والمقتضی فانه یقدم المانع" یعنی مانع اور مقتضی میں جب تعارض ہوگا تو مانع مقدم کیا جائے اس صورت میں حکم عدم جواز کا ہوگا۔ لہٰذا اگر وقت تنگ ہے یا پانی کی مقدار کم ہے اس صورت میں سنن وضو ادا کرتا ہے تو وقت نماز ختم ہو جائے یا پانی پورا نہ ہوگا تو سنن ادا کرنا جائز نہیں [۸۳]۔ اس قاعدے کے بھی کچھ مستثنیات ہیں۔

قاعدہ: ۲۶ "لا ایثار فی القرب" [۸۴]

"یعنی قربات و عبادات میں ایثار نہیں ہے" سیدنا شیخ عزالدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چونکہ قربات و عبادات میں ایثار نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی کے پاس صرف اتنا کپڑا ہے کہ جس سے اپنا مفروضہ ستر چھپا سکے تو یہ کپڑا دوسرے کو ستر چھپانے کے لئے دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر نماز کا وقت آ گیا اور اس کے پاس صرف اتنا پانی ہے کہ اپنا وضو کرلے اور وہ پانی کسی دوسرے کو وضو کے لئے دیدے تو یہ جائز نہیں کیونکہ ایثار ان معاملات میں ہے جن کا تعلق نفوس سے ہے نہ ان معاملات میں جن کا تعلق قربات و عبادات سے ہے۔ شرح المهذب باب الجمعہ میں یہ جزئیہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص صف میں جہاں بیٹھا ہے وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھایا جائے گا کہ دوسرا آدمی اس کی جگہ بیٹھے ہاں اگر وہ باختیار خود اٹھے تو کراہت نہیں [۸۵]۔ اگر کوئی جاں بلب بھوکا (مضطر) اپنا کھانا دوسرے مضطر کو کھلادے تو یہ ایثار محمود ہے اور اس پر وہ ماجور ہوگا۔ یہ اپنا ایثار فی النفس ہے اور آیت "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" کے تحت میں آتا ہے۔

قاعدہ: ۲۷ "التَّابِعُ تَابِعٌ"

"یعنی تابع مطبوع کے حکم میں داخل ہے" جیسے حمل والے جانور کے بیع میں حمل اپنی ماں کے تابع ہے اس کی بیع الگ سے نہ ہوگی ایسے ہی راستے اور پانی زمین کے تابع ہیں ان کی بیع الگ سے نہ ہوگی۔

قاعدہ: ۲۸ "التَّابع یسقط بسقوط المتبوع" [۸۵]

"متبوع کا حکم ساقط ہونے سے تابع کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے" جیسے جس کی نمازیں ایام جنون میں جنون کی وجہ سے ساقط ہو گئیں وہ ان نمازوں کے ساتھ کی سنتوں کی قضا بھی کریگا وہ بھی ساقط ہو جائیں گی۔ اسی طرح جس کا حج فوت ہو گیا اور اس نے عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا اس پر منیٰ میں رمی جمار اور شب گذارنا بھی نہیں رہا کیونکہ یہ دونوں چیزیں وقوف عرفہ کے تابع ہیں اور وہ ساقط ہو گیا۔ اس کے برعکس دیوان خراج سے جن لوگوں کے وظائف مقرر ہیں جیسے مجاہدین، علمائے کرام، طلبہ اور مفتیان عظام اور فقہاء یہ لوگ اگر وفات پا جائیں تو ان کے وظائف ان کی اولاد کے لئے مقرر کر دیئے جائیں گے۔ [۸۵] اسی قاعدہ کے قریب قریب یہ قاعدہ بھی ہے "یسقط الفرع اذا سقط الاصل" [۸۵]۔ اس پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ جب اصل بری ہو جائیگا تو اس کا کفیل بھی بری ہو جائے گا۔

قاعدہ: ۲۹ "التابع لا یتقدم علی المتبوع" [۸۶]

"یعنی تابع اپنے متبوع پر مقدم نہ ہوگا" لہٰذا نماز کی تکبیر افتتاح میں مقتدی امام سے پہلے تکبیر تحریمہ نہیں کہہ سکتا اسی طرح ارکان نماز کی ادائیگی میں امام پر تقدیم نہیں کر سکتا لہٰذا مقتدی کو چاہیئے کہ وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرنے میں امام سے پہلے رکوع و سجود میں نہ جائے نہ امام سے پہلے سجدے سے سر اٹھائے فتاویٰ قاضیخان میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

قاعدہ: ۳۰ "تَصَرُّفُ الامامِ علی الرَّعیه منوط بالمصلحة" [۸۷]

یعنی غیر منصوص امور میں امام کا تصرف رعایا پر مصلحت پر موقوف ہے" یہ قاعدہ

فقہ کی متعدد کتابوں میں بیان کیا گیا ہے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی کتاب الخراج میں اس کا متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا امام سلطان یا خلیفہ کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ ایسے قاتل کو معاف کردے جس کا مقتول لاوارث ہو یعنی اس کا کوئی ولی و وارث نہ ہو بلکہ اسے رعایا کی مصلحت کی خاطر یا قصاص لینا چاہئے یا دیت۔ عامۃ المسلمین مصالح کے پیش نظر امام زیلعی نے بیت المال کے سرمایہ کو چار شعبوں میں تقسیم فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام کو چاہئے کہ وہ ان چار شعبوں کے اموال کو الگ الگ رکھے تاکہ ایک دوسرے کا مال مل نہ سکے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے احکام و مسائل جدا گانہ ہیں جو اسی شعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ محیط کی کتاب الزکوٰۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ عامۃ المسلمین کی مصلحت کے تقاضہ کے مطابق) یہ بات رائے امام پر ہے کہ وہ کسی کو امداد زیادہ دیدے اور کسی کو کم یا سب کو برابر برابر لیکن اس فرق یا تسویہ میں اس کی خواہشِ نفس یا اغراض فاسدہ کو دخل نہ ہونا چاہیے لیکن ہر ایک کو اتنا ہی حلال ہے جو اس کی ضروریات اور اس کے عیال و اعوان کی ضروریات کو کفالت کرے اس تقسیم کے بعد بھی اگر بیت المال میں اہل حقوق کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ روپیہ بچ جائے تو اس کو عامۃ المسلمین کے کام میں لائے۔ اگر اس نے اس عمل میں کوتاہی کی تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ لے گا۔" امام زیلعی فرماتے ہیں امام پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور ہر مستحق کو اس کی ضرورت کے مطابق دے نہ کم نہ زیادہ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے حساب لیگا۔"

حضرت سعید بن منصور نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خود کو اللہ کے مال کا (یعنی بیت المال واموال غنائم واموالِ عشر وخراج وزکوٰۃ وغیرھا) ایسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہوں جیسے کوئی یتیم کا ولی اس کے مال کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر میں حاجتمند ہوتا ہوں تو بقدر حاجت اسی میں سے لیتا ہوں اور اگر خوشحال ہوتا ہوں تو اسے بیت المال کو واپس کردیتا ہوں۔

اور جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے بچتا ہوں۔" اسی قاعدہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول و عمل کے مطابق یہ مسئلہ ہے کہ اگر امام یا سلطان یا خلیفہ یا ولی الامر امور عامۃ المسلمین کے پیشِ نظر کوئی حکم دے تو وہ اسی وقت نافذ ہوگا جب وہ شرعًا مصلحتِ عامہ کے مطابق ہو ورنہ نہیں۔ فتاویٰ قاضیخان کتاب الوقف میں یہ جزئیہ مذکور ہے کہ اگر بادشاہ نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ مقبوضہ شہر کی کسی آراضی پر دوکانیں بنوا کر مسجد پر

وقف کردیں یا مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی مسجد میں برابر کی زمین لے کر توسیع کرلیں تو اگر یہ شہر جنگ سے فتح کیا گیا تھا اور مسجد کی یہ توسیع یا دوکانوں کی تعمیر گذرنے والوں اور راستہ چلنے والوں کیلئے تکلیف دہ ثابت نہ ہوگی اس صورت میں بادشاہ کا حکم نافذ ہوجائے گا اور اگر یہ شہر بذریعہ جنگ نہیں بلکہ بذریعہ صلح قبضہ میں آیا تھا تو وہ آراضی علیٰ حالہا اپنے مالک کی ملکیت میں باقی رہے گی اور بادشاہ کا حکم نافذ نہ ہوگا۔ اسی طرح قاضی کا تصرف اموال یتامیٰ اور ترکات اور اوقاف میں مصلحت سے مقید ہے یعنی اگر اس میں مصلحت شرعیہ ہے اور شریعت اسے جائز کرتی ہے تو قاضی کا تصرف نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔ ذخیرہ اور ولوالجیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر قاضی بغیر شرط واقف کسی مسجد میں فراش مقرر کردے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں اور نہ فراش کو وہ تنخواہ کھانی حلال ہے جو اسے اس وقف سے ملی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بلا شرط واقف وقف میں سے وظائف دینا بطریق اولیٰ ناجائز ہے حالانکہ مسجد کو فراش کی ضرورت ہے پھر بھی بغیر شرط واقف اس میں فراش مقرر نہیں کیا جاسکتا پھر اس میں سے وظائف کیسے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ (الاشباہ ص۹)

قاعدہ ۳۱: الحدود تندرء بالشبہات

یعنی حدود شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔" یہ حدیث ہے جس کو علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی" ادفعوا الحدود ما استطعتم" جہاں تک ممکن ہو حدود کو دور کرو۔" امام ترمذی وحاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث بیان کی۔" ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجا فخلوا سبیلہ" مسلمانوں سے حدود کو دور کرو جہاں تک ممکن ہو اور اگر تم کسی مسلمان کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو" کیونکہ امام اگر معاف کردینے میں خطا کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرجائے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں فقہائے امصار و بلاد کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں"۔ شبہ وہ ہے جو ثابت تو نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو۔ علمائے احناف نے شبہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) شبہ فی الفعل اس کو شبہۃ الاشتباہ بھی کہتے ہیں (۲) شبہ فی المحل (۳) شبہ فی العقد۔ پہلی قسم شبہۃ الاشتباہ کی صورت یہ ہے کہ

جیسے کسی پر اس شے کی حلت وحرمت مشتبہ ہو جائے جیسے وہ یہ بدگمانی کرے کہ اپنی بیوی کی لونڈی بجانست وطی کرنا حلال ہے یا اپنے باپ ماں یا دادا کی باندی سے وطی کرنا اس کے لئے جائز ہے یا یہ گمان کرے کہ اپنی مطلقۂ ثلثہ سے دوران عدت وطی کرنا جائز ہے۔ ان صورتوں میں اگر اس نے وطی کرلی تو اس پر حد قائم نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ مجھے اس کا علم تھا کہ یہ حرام ہیں تو اس پر حد قائم کردی جائے گی۔ دوسری قسم فی المحل کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی باندی، طلاق بالکنایہ سے مطلقہ، فروخت کردہ باندی جس کو ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں دیا ہے اور وہ باندی جو اپنی بیوی کے مہر میں دی لیکن ابھی اس کو بیوی کے قبضہ میں نہیں دیا ہے وغیرھا ان تمام صورتوں میں اگر وہ ان کے ساتھ وطی کرے گا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی اگرچہ وہ یہ اقرار کرے کہ میں ان کے حرام ہونے کو جانتا تھا تیسری قسم شبہ فی العقد کی صورتیں یہ ہیں کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا بعد عقد نکاح اس سے وطی کی اگر وہ یہ کہے کہ مجھے اس کے حرام ہونے کا علم تھا تو فتویٰ اس پر ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی اور اگر اسے علم نہ تھا تو حد قائم نہ ہوگی۔ ایسے ہی اس عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح شراب کو دوا کے طور پر پیا (بشرطیکہ معالج نے ضروری قرار دیا ہو) ان تمام صورتوں میں حد قائم نہ کی جائے گی۔ چونکہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اسی لئے حدود عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتیں نہ کتاب القاضی الی القاضی سے اور نہ شہادت علی الشہادت سے نہ حالت نشہ میں حدود خالصہ کے اقرار سے کہ ان تمام صورتوں میں شبہات ہیں ان کے علاوہ بھی شبہات کی اور صورتیں بھی ہیں۔

فائدہ:۔ حدود میں مترجم کا قول قبول کر لیا جائے گا جس طرح دیگر معاملات میں مترجم کا قول قابل قبول ہے[۹۱] اور قصاص بھی شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے جس طرح کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اور قصاص بھی انھیں چیزوں سے ثابت ہوتا ہے جن سے حدود ثابت ہوتے ہیں[۹۲] برخلاف تعزیر کے کہ وہ شبہ کی موجودگی میں بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس میں قسم بھی لی جاتی ہے جب کہ حدود و قصاص میں قسم نہیں لی جاتی۔ تعزیر میں انکار جرم کے باوجود فیصلہ دیا جاتا ہے[۹۳]۔

قاعدہ ۳۲ اَلْحُرُّ لا یدخُلُ تحت الید

یعنی آزاد مرد و عورت پر کوئی قبضہ نہیں ہو سکتا" لہٰذا اگر کوئی شخص کسی آزاد مرد یا عورت

یا بچہ کو غصب کر کے لے گیا اور پھر وہ اس کے قبضہ میں اچانک قدرتی موت مر گیا تو غاصب اس کی جان کا ضمان دینے کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر وہ ان کو غصب کر کے ہلاکت کی جگہ لے گیا جہاں خونخوار درندے یا زہریلے سانپ رہتے ہوں یا وہاں بالعموم بجلیاں گرتی ہوں یا وہاں جا کر بیمار پھیلی ہوں اور وہاں ہلاک ہو گئے تو اس صورت میں غاصب کے عاقلہ پر (ورثا پر) ان کی دیت واجب ہوگی لیکن یہ ضمان اتلاف جان ہے ضمان غصب نہیں[۹۴]۔ اس قاعدہ کی زد جارحہ ہے۔

قاعدہ: ۳۳ اذا اجتمع امران من جنسٍ واحدٍ ولم یختلف مقصودھما دخل احدھما فی الآخر"

"یعنی جب دو چیزیں ایک ہی جنس کی جمع ہو جائیں اور ان کا مقصد بھی مختلف نہ ہو تو وہ ایک دوسرے میں داخل ہو جاتے ہیں" جیسے حدث و جنابت جب ایک ہی شخص میں جمع ہوں یا جنابت اور حیض ایک ہی عورت میں جمع ہوں تو ان پر ایک ہی غسل فرض ہوگا اور ایک ہی غسل دونوں کے لئے کافی ہے اور جیسے اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز فرض و سنت ادا کی تو یہی نماز تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہے یا جیسے کسی سے ایک ہی نماز میں دو واجب یا ایک واجب کئی بار سہواً ترک ہوا تو اس کے لئے ایک ہی بار سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے۔

قاعدہ: ۳۴ "اِعمال الکلام اولیٰ من اھمالہ حتیٰ امکن فان لم یمکن اُھمل"[۹۵]

" یعنی جہاں تک ممکن ہو کلام کو با معنی بنایا جائے مہمل قرار نہ دیا جائے ہاں اگر اُسے با معنی بنانا ممکن نہ ہو تو پھر اُسے مہمل قرار دیا جائے" اسی بنیاد پر ہمارے علمائے اصول اس امر پر متفق ہیں کہ کسی کلام کو اگر اس کی حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہو تو وہ مجاز پر محمول کیا جائے گا اسے مہمل قرار نہ دیا جائے اگر وہ حقیقت اور مجاز میں سے کسی پر بھی محمول نہ کیا جا سکے تو اسے مہمل قرار دیا جائے یا اگر یہ صورت ہے کہ کوئی لفظ ایسا ہو جو حقیقت اور مجاز میں مشترک ہو اور وجہ ترجیح موجود نہ ہو تب بھی وہ مہمل قرار دیا جائے گا[۹۶]

اس قاعدہ کے مطابق اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ "میں اس درخت سے کچھ نہیں کھاؤں گا" پھر اس نے اس کا پھل کھایا یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے کوئی کھانے کی چیز خرید کر

کھائی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ واجب ہوگا یا اس نے یہ قسم کھائی کہ میں یہ آٹا نہیں کھاؤں گا پھر اس نے اس آٹے سے پکی ہوئی روٹی کھائی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ واجب ہوگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں کلام کو حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہے لہٰذا مجازی معنی لئے گئے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جس کا باپ معلوم و معروف ہے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو وہ عورت اس پر حرام نہ ہوگی کیونکہ یہاں حقیقت و مجاز دونوں متعذر ہیں لہٰذا یہ کلام مہمل قرار دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک سے کہا "تین طلاقیں تیرے لئے" اور باقی تیری ساتھی پر اس صورت میں پہلی پر طلاقیں ہو جائیں گی اور دوسری پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں کلام کو عمل میں لانا ممکن نہیں لہٰذا مہمل قرار دیا جائے گا کیونکہ شریعت نے صرف تین طلاقیں مقرر فرمائی ہیں اور زیادہ کو باطل کیا ہے لہٰذا چوتھی طلاق واقع کرنا ممکن نہیں اس لئے "باقی تیری ساتھی پر" اس کا یہ کلام مہمل قرار دیا جائے گا اور دوسری بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی قاعدہ میں یہ قاعدہ شامل ہے "التاسیس خیر من التاکید" تاکید کے مقابلے میں تاسیس بہتر ہے یعنی کسی کلام کو تاکید قرار دینے کے مقابلے میں اصل بنیاد اور بناء کلام قرار دینا اختیار ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "تجھے طلاق طلاق طلاق" تو اسے تین طلاقیں واقع ہوں گی اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے تاکید مراد لی تھی تو دیانۃً اس کی تصدیق کر دی جائے گی لیکن قضاءً نہیں۔

قاعدہ: ۳۵ "الخراج بالضمان"

"یعنی منافع ضامن ہونے کے عوض میں" یعنی کسی شے سے نفع حاصل کر لینے کا کوئی معاوضہ دینا نہ ہوگا لیکن نفع حاصل کرنے والا اس شے کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں اس کی قیمت کا ضامن ہوگا "الخراج بالضمان" حدیث صحیح ہے جس کو امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ و ابن حبان نے رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے بعض راویوں نے اس کا سبب بھی بیان فرمایا ہے واقعہ یہ تھا کہ "ایک صحابی نے ایک غلام خریدا کچھ دن وہ اُن کے پاس رہا پھر انھیں اس غلام میں کوئی نقص اور عیب معلوم ہوا انھوں نے معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا خیار عیب کی وجہ سے آپ نے اس غلام کو واپس کرا دیا۔ بائع نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس مشتری خریدار نے میرے غلام سے منافع حاصل کئے ہیں (مطلب یہ تھا کہ اُن منافع کا معاوضہ مجھے دلایا جائے)

آپ نے فرمایا الخراج بالضمان یعنی منافع ضمان کے عوض میں ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس حدیث میں الخراج کا مطلب غلام کے منافع ہیں کہ خریدار نے غلام خریدا اور اسے اپنے کام میں استعمال کیا اور ایک مدت کے بعد اس کے عیب پر مطلع ہوا جو کہ بائع نے اسے نہیں بتلایا تھا تو وہ اسے بائع کو واپس کر دیگا اور اس کی پوری قیمت واپس لے لیگا اور اس کے منافع سے فیضیاب ہوگا کیونکہ غلام اس کی ذمہ داری اور ضمان میں تھا کہ اگر وہ اس مدت میں ہلاک ہو جاتا تو یہ اس مشتری کا مال ہلاک ہوتا بائع پر کوئی ضمان و ذمہ داری نہ ہوتی۔ کتاب "الفائق" میں الخراج کی تشریح میں بتایا کہ کسی چیز سے جو بھی فائدہ پہنچے وہ اس کا خراج ہے۔ درخت کا خراج اس کا پھل ہے اور چوپایوں کا خراج ان کا دودھ اور ان کی نسل ہے۔ علامہ فخر الاسلام فرماتے ہیں یہ حدیث پاک جوامع الکلم میں سے ہے۔ لہٰذا اس کی روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث کثیر المعنیٰ ہے اس نے اس کو ایک معنی میں متعین نہیں کر سکتے اور روایت بالمعنیٰ میں ایک معنیٰ کے ساتھ خاص اور متعین ہو جائے گی

قاعدہ ۳۶ "السؤال معادٌ فی الجواب"

یعنی سوال کے جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے۔" علامہ بزازی اپنے فتاویٰ بزازیہ میں مسائل وکالت کے آخر میں بیان فرماتے ہیں کہ "کسی نے کہا کہ "زید کی بیوی مطلقہ ہے۔ اگر وہ اس گھر میں داخل ہو تو اس پر بیت اللہ جانا ہے" زید نے یہ سن کر کہا "ہاں" تو زید ان دونوں باتوں کا حالف قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ جواب اس مضمون کے اعادہ کو متضمن ہے جس کا سوال میں ذکر ہے۔ ایسے ہی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں طلاق والی ہوں (مطلقہ ہوں) شوہر نے کہا "ہاں" تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ قنیہ میں ہے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرا تجھ پر اتنا قرضہ ہے وہ مجھے ادا کر" دوسرے نے مذاق و استہزاء میں کہا ہاں بہت خوب تو یہ اس کا اقرار ہے۔ یہ قرضہ اس سے لے لیا جائے گا۔

قاعدہ: ۳۷ لا ینسب الی ساکتٍ قولٌ

اس قاعدہ کی توضیحی مثالیں یہ ہیں کہ اگر مالک نے دیکھا کہ کوئی اجنبی اس کا مال فروخت کر رہا ہے

اور وہ دیکھ کر خاموش رہا اسے منع نہیں کیا تو اس کے سکوت سے وہ اس کا وکیل بالبیع نہیں بنے گا۔ ایسے ہی قاضی نے اپنے زیرِ ولایت نابالغ بچے یا معتوہ (بے عقل یا کم عقل) کو دیکھا کہ وہ خرید و فروخت کر رہا ہے اور یہ دیکھ کر قاضی نے سکوت اختیار کیا تو قاضی کا یہ سکوت اُن کے حق میں اذن فی التجارہ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی اگر کسی نے دیکھا کہ کوئی شخص اس کا مال تلف اور ضایع کر رہا ہے اور وہ خاموش رہا تو اس کی یہ خاموشی مال کے تلف کرنے کی اجازت نہیں قرار دی جائے گی۔ اگر عورت نے بغیر اجازت ولی بغیر کفو سے نکاح کر لیا تو ولی کا سکوت اس کی رضا نہیں تسلیم کیا جائے گا اگرچہ لمبی مدت گذر جائے عنین (نامرد) کی عورت کا سکوت اس کی رضا نہ مانا جائے گا خواہ وہ اس عنین کے ساتھ برسوں گزار دے (جامع الفصولین)

علامہ ابن نجیم حنفی مصری صاحب الاشباہ والنظائر نے اس قاعدہ کے کچھ مستثنیات فرمائے ہیں جن کو جامع الفصولین سے نقل کیا ہے ان کی تعداد تیس ہے۔ پھر مزید سات کا اضافہ فرمایا۔ دو قنیہ سے نقل فرمائے اور پانچ اپنی طرف سے کل ۳۷ سینتیس مستثنیات فرمائے ہیں لیکن ان میں سے اکثر ایک دوسرے قاعدہ کے اندر آجاتے ہیں اور وہ قاعدہ ہے۔

قاعدہ: ۳۵ السکوت فی معرض البیان بیان:

یعنی مقام اظہار و بیان میں سکوت اختیار کرنا اظہار و بیان ہی مانا جائے گا جیسے نکاح سے قبل ولی نے باکرہ (کنواری) سے اس کے نکاح کی اجازت طلب کی اور وہ ساکت رہی تو یہ اس کا نطق و بیان مانا جائے گا اور اس کی اجازت شمار ہوگی۔ ایسے ہی غیر باپ نے کسی نابالغہ باکرہ کا نکاح کر دیا اور وہ بوقت بلوغ خاموش رہی تو اس کی یہ خاموشی اس کی اجازت شمار ہوگی۔ کسی عورت نے قسم کھائی کہ وہ نکاح نہیں کرے گی پھر اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ خاموش رہی تو وہ حانث ہو جائے گی یعنی اسکی قسم ٹوٹ جائے گی، حق شفعہ رکھنے والے کو جائیداد غیر منقول کی بیع کا علم ہوا اور وہ ساکت رہا تو اس کا حق شفع باطل ہو جائے گا اس کا یہ سکوت اس کی رضا مانا جائے گا۔ باکرہ (کنواری) لڑکی کو خبر دی گئی کہ تمہارے ولی نے تمہارا نکاح کر دیا ہے۔ یہ سن کر اس نے سکوت اختیار کیا تو یہ اس کی رضا ہے۔ ماں نے اپنی

بیٹی کا جہیز باپ کے مال و متاع سے دیا اور باپ نے سکوت اختیار کیا تو یہ اس کی رضا ہے اب اسے واپس لینے کا اختیار نہیں وغیرھا ۱۱۳

درحقیقت ان دونوں قاعدوں کی صورتوں میں امتیاز کرنا مفتی و فقیہ کے لئے کثرت مطالعہ اور دقت نظر کا طالب ہے لہٰذا مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ خوب غور و فکر اور کتب فقہ کا عمیق مطالعہ کر کے ایسے مسائل کا جواب تحریر کرے جس طرح عرف پر موقوف مسائل کا جواب بھی دقت نظر مفتی کی ذہانت اور عرف زمانے سے واقفیت کا طالب ہے۔

قاعدہ: ۳۹ الفرض افضل من النفل

یعنی فرض و واجب نفل سے افضل ہے اس کی صدہا مثالیں ہیں جو اظہر من الشمس ہیں لیکن اس میں کچھ مستثنیٰ مسائل بھی ہیں، جیسے نادار و تنگدست مقروض کو اس کے قرض سے بری کر دینا یہ اس کی مہلت دینے سے افضل ہے جب کہ بری کر دینا مستحب ہے اور مہلت دینا واجب ہے۔ ایسے ہی سلام میں پہل کرنا سنت ہے مگر یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو کہ واجب ہے۔ اسی طرح وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب و مندوب ہے مگر یہ افضل ہے اُس وضو کرنے سے جو نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد نماز ادا کرنے کے لئے کیا جائے حالانکہ یہ وضو فرض ہے۔

قاعدہ: ۴۰ ماحرم اخذہ حرم اعطاءہ

یعنی جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے" جیسے سود، زنا کی اُجرت، کاہن اور نجومی کی فیس، رشوت اور گانے والے کی اُجرت وغیرھا کہ ان میں سے ہر ایک کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے۔ لیکن قیدی کو قید سے چھڑانے کے لئے یا اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے یا کسی کو اپنی ہجو سے روکنے کے لئے رشوت دینا جب کہ اس کے بغیر کام نہ چلے دینے والے پر گناہ نہیں لیکن لینے والے کے لئے بہرحال حرام و گناہ ہے کہ یہ صورتیں الضرورات تبیح المحذورات کے ماتحت آتی ہیں۔ اسی قاعدہ کے قریب قریب یہ قاعدہ بھی ہے یعنی قاعدہ نمبر ۴۱

قاعدہ: ۴۱ ماحرمہ فعلہ حرم طلبہ"

جس چیز کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے ذمّی کو جزیہ دینا حرام ہے مگر اس سے طلب کرنا جائز ہے یہ مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

قاعدہ: ۴۲ من استعجل الشئ قبل اوانہ عوقب بحرمانہ"

یعنی جو شخص کسی شے کو وقت سے پہلے حاصل کرنے میں جلدی کرے تو سزاءً وہ اس شے سے محروم کر دیا جائے گا جیسے اگر کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تاکہ جلد ہی اسے وراثت مل جائے تو قاتل وارث مقتول مورث کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شوہر اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو بغیر اس کی طلب اور رضامندی کے تین طلاقیں دیدے تاکہ وہ وراثت سے محروم ہو جائے تو وہ عورت اس کی وراثت سے محروم نہ قرار دی جائے گی۔ یہ شوہر اپنا مقصد حاصل کرنے میں محروم ہو گا۔

قاعدہ ۴۳ "الولایۃ الخاصّۃ اقویٰ من الولایۃ العامۃ"

یعنی ولایت خاصہ ولایت عامہ سے قوی تر ہوتی ہے" جیسے قاضی کو کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کے نکاح و تزویج کا حق نہیں اگر اس کا ولی ہے خواہ وہ ولی عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے کیونکہ ولی کو ولایت خاصہ حاصل ہے اور قاضی کو ولایت عامہ۔ ولی خاص کو قصاص لینے، صلح کرنے اور قاتل کو بلا معاوضہ معاف کرنے کا حق ہے امام کو معاف کرنے کا نہیں۔

فائدہ:۔ ولیِ خاص تین قسم کے ہیں (۱) مال اور نکاح میں ولی۔ یہ صرف باپ دادا ہی ہو سکتے ہیں یہ ان کا ذاتی وصف ہے۔ یہ اگر خود کو ولایت سے معزول بھی کرنا چاہیں تو یہ معزول نہ ہونگے (۲) فقط نکاح میں ولی یہ تمام عصبات ہو سکتے ہیں اور ماں اور ذوی الارحام نیز ولایت کے وکیل اس کی ولایت کو مؤکل معزول کر سکتا ہے اور وکیل اور ذوی الارحام بھی خود کو ولایت سے معزول کر سکتے ہیں۔

(۳) فقط مال میں ولی اور وہ ہے وہ اجنبی جو وصی بنایا گیا ہو۔ وصی کی ولایت کو وصی بنانے والا معزول کر سکتا ہے اور غیر ایماندار و بد دیانت وصی کو قاضی بھی معزول کر سکتا ہے لیکن وصی خود کو معزول نہیں کر سکتا (الاشباہ والنظائر ص۱۱۱) قاضی وصی کی موجودگی میں مال یتیم میں تصرّف کا حق نہیں رکھتا۔

قاعدہ ۴۴ لاعبرۃ بالظن البیّن خطاؤہ"

یعنی جس گمان کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا پھر اس کا اعتبار نہیں" باب قضاء الفوائت میں اسی قاعدہ کے ماتحت یہ جزئیہ ہے۔ اگر کسی صاحب ترتیب کی نماز عشاء قضا ہوئی نماز فجر کے وقت اس نے گمان کیا کہ وقتِ فجر تنگ ہو گیا ہے اس نے فجر کی نماز ادا کر لی پھر یہ معلوم ہوا کہ وقت میں گنجائش ہے تو اس کی فجر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ پھر یہ دیکھے کہ وقت میں گنجائش ہے تو پہلے نماز عشاء ادا کرے کیونکہ یہ صاحب ترتیب ہے پھر فجر کی نماز پڑھے اور اگر وقت میں گنجائش نہ رہی ہو تو فقط فجر کی نماز کا اعادہ کرے (شرح الزیلعی)

اسی قاعدہ کے ماتحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے پانی کو نجس گمان کیا اور اس سے وضو کر لیا پھر معلوم ہوا کہ وہ پانی پاک تھا تو اس کا وضو جائز ہے (خلاصہ) اسی طرح اگر صاحب نصاب زکوٰۃ نے مال زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ دیئے جانے والے کو غیر مصرف زکوٰۃ گمان کیا اور اس کو زکوٰۃ دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ مصرف ہے تو جائز ہے۔ بالاتفاق زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اس کے برعکس اگر اس نے کسی کو مصرف زکوٰۃ گمان کیا پھر معلوم ہوا کہ وہ غنی ہے یا خود اس کا بیٹا ہے تو طرفین کے نزدیک ادا ہو گئی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ادا نہ ہوئی۔ اگر اس نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور گمان یہ کیا کہ یہ کپڑا نجس ہے پھر معلوم ہوا کہ کپڑا پاک ہے تو نماز کا اعادہ کرے۔ اگر اس نے نماز پڑھی اور خود کو مُحدِث گمان کیا پھر معلوم ہوا کہ وہ باوضو ہے تو نماز جائز نہ ہوئی ایسے ہی اگر کسی نے فرض نماز پڑھی اور اس کا گمان یہ ہے کہ ابھی وقت نہیں ہوا پھر معلوم ہوا کہ وقت ہو گیا ہے تو اس کی نماز جائز نہیں (کما فی فتح القدیر) آخر کے چاروں مسائل میں مکلّف کے گمان کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ نفس حقیقت کا اور ان چار مسائل سے قبل کے مسائل میں اعتبار نفس الامر اور حقیقت واقعیہ کا ہے اس لئے اگرچہ یہ تمام مسائل ظاہری طور پر ہم شکل سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے

حکم شرعی میں فرق ہے اور یہ وہ باریکیاں ہیں جن پر فقیہ کی نظر رہنی چاہیئے۔

قاعدہ ۴۵ "ذکر ما لا یتجزیٰ کذکر کلہ"

یعنی ایسی چیز جس کی تجزی نہیں ہوتی اگر اس کے بعض کا ذکر کیا جائے تو کل کا ذکر کرنا ہے" جیسے کسی نے اپنی بیوی کو نصف طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہو گی یا اس نے نصف عورت کو طلاق دی تو کل کو طلاق واقع ہو گی۔ قاتل کے ایک حصہ جسم کو معاف کیا تو کل کو معاف ہو جائے گا اسی طرح اگر بعض وارثوں نے معاف کر دیا تو کل کی جانب سے قصاص ساقط ہو جائے گا مگر اس صورت میں باقی وارثوں کا حصہ مال میں تبدیل ہو جائے گا جو قاتل کے اولیاء کو ادا کرنا ہو گا۔

قاعدہ: ۴۶ " اذا اجتمع المباشر والمتسبب اُضیف الحکم الی المباشر"

یعنی مباشر اور متسبب (یعنی کسی فعل کا مرتکب اور سبب بننے والا) دونوں جمع ہوں تو حکم مباشر کی طرف منسوب کیا جائے گا" مثلاً کسی شخص نے زیادتی کرتے ہوئے ایک کنواں کھودا اور اس میں کسی دوسرے شخص نے کسی شے کو ڈال کر ضائع کر دیا تو ضمان کنواں کھودنے والے پر نہیں بلکہ کنوئیں میں ڈالنے والے پر ہے کیونکہ ڈالنے والا ہی فعل کا مرتکب ہے۔ ایسے ہی ایک شخص نے چور کو کسی کے مال کی مخبری اور رہنمائی کی اور چور نے اُسے چرا لیا تو سارق ضامن ہے بتلانے والے پر کچھ نہیں ایسے ہی اگر کسی نے ناسمجھ بچے کو چھری دے دی یا ہتھیار دیا کہ وہ اسے تھامے رہے بچے نے خود کو ہلاک کر لیا تو چھری یا ہتھیار دینے والے پر ضمان نہیں ہے لیکن بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں ضمان مباشر پر نہیں بلکہ متسبب پر ہے جیسے ودیعت جس کے پاس رکھی گئی ہے اس نے خود چور کو اس امانت اور ودیعت کی جگہ بتلائی اور چور نے اُسے چرا لیا تو اس صورت میں امانتدار ضامن ہو گا۔ کسی عورت کے ولی نے کہا کہ وہ عورت آزاد ہے اس سے نکاح کر لو یا اس عورت کے وکیل نے یہی کہا کہ وہ عورت آزاد ہے اس سے نکاح کر لو پھر بچہ پیدا ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دوسرے کی باندی ہے تو مباشر متسبب سے بچہ کی قیمت واپس لے گا۔ بچہ کو چھری دی کہ وہ اسے رکھے وہ چھری بچہ پر گری اور اسے زخم پہنچا تو اس کا ضمان دافع (دینے والے یعنی متسبب) پر نہ ہوگا۔ متاخرین علماء فقہ نے تغیر احوال زمانہ کے پیش نظر بہت سی صورتوں میں ضمان مباشر کی بجائے متسبب پر رکھا ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

فائدہ: مفہوم مخالف مع اپنی اقسام کے امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک معتبر ہے اور احناف کے نزدیک کلام شارع میں مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ شرح تحریر سے ہے۔ فقد نقل الشیخ جلال الدین الخبازی فی حاشیۃ الھدایۃ عن شمس الائمۃ الکردری۔ ان تخصیص الشئ بالذکر لا یدل علی نفی الحکم عما عداہ فی خطابات الشارع۔ فاما فی متفاہم الناس وعرفھم وفی المعاملات والعقلیات یدل انتھی۔ وتداولہ المتاخرون (رسائل ابن عابدین ج۱ ص۴۳) یعنی شیخ جلال الدین خبازی نے ہدایہ کے حاشیہ میں شمس الائمہ کردری سے نقل کیا کہ خطابات شارع میں کسی حکم میں کسی شے کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کا مطلب نہیں ہے کہ اس حکم کی اس شے کے ماسواء سے نفی کر دی گئی۔ ہاں لوگوں کے عرف اور فہم، معاملات اور عقلیات میں کسی شے کا خصوصیت سے ذکر کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ماسوا سے اس حکم کی نفی ہے اس پر متاخرین کا عمل ہے۔

قواعد کلیہ اور اصول فقہیہ میں سے ہم نے یہ صرف چھیالیس قواعد مشتے نمونہ از خروارے بیان کئے ہیں ورنہ ایسے قواعد کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے مشہور مالکی فقیہ امام قرآفی نے اس قسم کے ۵۴۸ قواعد جمع فرمائے ہیں جن کو انہوں نے اپنی کتاب "انوار البروق فی انوار الفروق" میں بیان فرمایا ہے۔

بہت سی احادیث اور آیات قرآنیہ ایسی ہیں جن سے اس قسم کے قواعد کلیہ اخذ کئے جا سکتے ہیں جیسے (۱) اتقوا مواضع التھمۃ (۲) ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (۳) المرء مع من احبہ (۴) تعاونوا علی البر والتقوی (۵) کل مسکر حرام (۶) اللہ فی عون عبدہ ما کان العبد فی عون اخیہ (۷) جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (۸) ولھن مثل الذی علیھن (۹) من تشبہ بقوم فھو منھم (۱۰) کل قرض جر نفعا فھو ربوا۔ (۱۱) دم المسلم ومالہ وعرضہ حرام (۱۲) لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (۱۳) من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا (۱۴) من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا (۱۵) یسروا ولا تعسروا (۱۶) وداعی الحرام حرام (۱۷) خیر الامور اوسطھا (۱۸) الدال علی الخیر کفاعلہ۔

ان تمام قواعد کے ماتحت بے شمار جزئیات ہیں مفتی اور فقیہ غیر منصوص مسائل میں جن پر کوئی شرعی استدلال نہ ہو نئے نئے پیش آنے والے مسائل میں ان اصول و قواعد کی روشنی

میں حکم شرعی کی تخریج کرسکتا ہے بشرطیکہ فقہ پر اس کی نظر ہو۔ بارہویں صدی کے بعد سوائے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کسی فقیہ نے ان قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ سے مسائل کا استنباط نہیں کیا اور یہ بات علامہ شامی کی خصوصیات میں سے ہو کر رہ گئی تیرھویں اور چودھویں صدی کے ہندوستانی علماء فقہ میں واحد شخصیت علامہ احمد رضا علیہ الرحمہ کی ہے جنھوں نے مسائل کے استنباط میں بہ کثرت ان قواعد فقہیہ سے استنباط و استخراج فرمایا۔ ان کے فتاوی رضویہ میں بڑی تعداد میں ان اصول اور قواعد فقہیہ کا ذکر ملے گا یہ اس امر کا شاہد عادل ہے کہ علامہ شامی کی طرح امام احمد رضا علیہ الرحمہ بھی فقہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے جن کی نظیر گزشتہ دو صدیوں میں نظر نہیں آتی۔

ھذا ما وفقنی اللہ تعالیٰ جلا وعلیٰ بفضلہ وکرمہ والحمد للہ تعالیٰ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واھل بیتہ اجمعین۔

محب اللہ ورسولہ وعلماء ملتہ
الفقیر ظہیر الدین احمد زیدی غفرلہ
۲۱ رذی الحجہ ۱۴۰۶ھ یوم